ابوالنور مولانا محمد بشیر صاحب کا مثنوی مولانائے روم سے انتخاب

مثنوی کی حکایات

شرکتِ حنفیہ لمیٹڈ گنج بخش روڈ
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ ۷۸۶ / ۹۲ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ (پ۲۱ ع۴)

یعنی

رُوم والے مغلوب ہونے کے بعد غالب آگئے

مولانائے روم کی حکایات مثنوی بھی دوسروں کی حکایات پر غالب آگئیں

مثنوی کی حکایات

مؤلف

سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

اِن دلچسپ امور تعجب خیز حکایات میں مولانائے روم نے دین و دنیا کے اسرار و رموز بیان فرمادیئے ہیں۔ اور پھر ان حکایات میں ہر حکایت کے بعد سلطان الواعظین نے جو سبق لکھے ہیں، ہر سبق بجائے خود ایک مستقل وعظ ہے۔ مولانائے روم کی حکایت اور سلطان الواعظین کا اس سے سبق بیان کرنا سونے پر سہاگہ نظر آتا ہے۔

ناشر

شرکت حنفیہ لمیٹڈ گنج بخش روڈ لاہور

قیمت ۱۵ روپیہ

نام کتاب ــــــــ مثنوی کی حکایات

مؤلف ــــــــ مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب

مہتمم ــــــــ صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ جمیل ایم اے

کاتب ــــــــ عبدالغنی بجیرنڈ ضلع سیالکوٹ

مطبوعہ ــــــــ لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور

ناشر:۔ شرکت حنفیہ لمیٹڈ گنج بخش روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلی نظر

کَلِّمِ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِمْ کے مطابق عوام النّاس کے فہم و عقل کے مطابق بات کرنا ہی فصاحت و بلاغت ہے۔ برعکس اسکے واعظ و ناصح اور مبلغ اگر اپنے علم و فضل کے مطابق خطاب کرنے لگے۔ تو عوام النّاس۔ بجائے کچھ سمجھنے کے اُلجھن میں پڑ جائیں گے۔ اور اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ مثلاً ایک افسر دورہ کرتے ہوئے کسی گاؤں میں پہنچا۔ تو سادہ لوح زمینداروں کا ایک وفد اپنی کچھ مشکلات پیش کرنے کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد میں سے ایک آدمی افسر کے دفتر میں پہنچا۔ تو افسر نے پوچھا۔

تُمہاری کشتِ زار گندم میں تقاطرِ امطار ہوا ہے یا نہیں

مطلب یہ کہ تمہارے گندم کے کھیت میں بارش ہوئی ہے یا

نہیں ؟ اس عام فہم سوال کو صاحب بہادر نے اپنی قابلیت جتانے کو کچھ ایسے مشکل الفاظ میں پیش کیا۔ کہ وہ سادہ لوح آدمی خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ بھائیو! صاحب بہادر اس وقت تلاوت میں مصروف ہیں۔ اس لئے میں واپس آگیا ہوں۔ صاحب بہادر اگر یہی سوال عام فہم انداز میں کرتے۔ تو وہ آدمی سمجھ لیتا۔ اور جواب دیتا۔

قرآن پاک سے زیادہ فصاحت و بلاغت کی اور کونسی کتاب ہوگی؟ یہ کتاب پاک فصاحت و بلاغت کی منبع ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اس میں مچھروں۔ مکھیوں۔ اور چوپایوں کی مثالیں دے کر اور پہلے لوگوں کی حکایات اور اُن کے قصص سُنا کر اپنے بندوں کو سمجھایا ہے۔ اور گمراہوں کو راہ پر لانے کے لئے ایسی سادہ اور روشن آیات نازل فرما کر رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا ہے جس کی بدولت ایک دنیا گمراہی سے نکل کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئی۔ غور فرمائیے۔ اگر خُدا تعالیٰ اپنی عظمت و جلالت کے مطابق اپنے بندوں سے خطاب فرماتا۔ تو اس لاشریک کے کلام کو کون سمجھتا؟

خدا کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ذات والا صفات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ مگر کروڑوں درود و سلام اس مخزنِ فصاحت و بلاغت وجود باجود پر۔ کہ اپنے غلاموں سے ہمیشہ ایسے عام فہم سادہ اور روشن خطاب سے نوازا۔ جو عرب کے اَن پڑھ سادہ لوح انسانوں کے ذہنوں میں نقش ہو گیا۔ مثلاً ایک مرتبہ غلاموں سے ارشاد فرمایا۔ بتاؤ تو اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر جاری ہو۔ اور وہ شخص ہر روز اس نہر میں پانچ مرتبہ نہایا کرے۔ تو کیا اس کے بدن پر مَیل رہے گی؟ غلاموں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا تو سنو۔ نماز ایک نہر ہے۔ جو شخص ہر روز پانچ نمازیں۔ پڑھا کرے گا۔ اس کے بدن پر گناہوں کی میل باقی نہ رہے گی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۹) سُبحان اللہ! کیسی پاکیزہ مثال سے مسئلہ ذہن نشین فرما دیا۔

الغرض عوام النّاس کو سمجھانے کے لئے سادہ اور عام فہم انداز بہت ہی مؤثر ہوتا ہے۔ حکایات سنا کر اور مثالیں دے کر کسی مشکل مسئلہ کو آسان تر طریقہ سے

سمجھا دینا بہت پیارا اور مفید انداز ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستان و بوستان۔ دونوں کتابیں اسی انداز پر لکھی گئی ہیں۔ اور دُنیا جانتی ہے۔ کہ یہ دونوں کتابیں اپنے اسی انداز کے باعث دنیابھر میں مقبول ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ کی مشہور و معروف کتاب مثنوی شریف بھی ایک شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ اور بہت بڑی ضخیم کتاب ہے۔ علم و عرفان کا ایک دریا ہے۔ جو آج تک بہہ رہا ہے۔ اور بہتا ہی رہے گا۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اس میں سینکڑوں حکایات اور متعدد مثالیں لکھ کر مشکل سے مشکل مسائل کو حل فرما دیا ہے۔ آپ اپنے اس اندازِ بیان میں منفرد ہیں۔ اس کتاب میں جو حکایات درج ہیں۔ ان میں عام قاری کے لئے ایک مشکل نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ مولانا ایک حکایت شروع فرماتے ہیں۔ تو اس حکایت کے چند اجزاء لکھ کر پھر ان کے نتائج بیان کرتے ہُوئے علم و عرفان کے موتی بکھیرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اُسی حکایت کا بقیہ شروع فرما دیتے ہیں۔

بعض دفعہ ایک حکایت شروع فرما کر اُسی حکایت میں کوئی دوسری حکایت بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ دوسری حکایت ختم کر کے پھر پہلی حکایت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ ایک عام قاری کے لئے حکایت میں تسلسل نظر نہیں آتا۔

میں نے اِن بکھری ہوئی حکایات کو جمع کر کے ہر حکایت تسلسل کے ساتھ لکھ کر پھر اس کے بعد سبق کے عنوان سے اس حکایت سے جو مسائل حل ہوتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اور ایسے پُر لطف اور دلچسپ انداز میں کہ آپ پڑھ کر یقیناً محفوظ ہونگے۔ سچی حکایات کے پانچوں حصوں نے جو قبولیت تامہ حاصل کی ہے۔ وہ سب پر ظاہر ہے۔ سچی حکایات کی ہر حکایت کے بعد جو سبق میں نے لکھے ہیں۔ وہ اگرچہ نہایت جامع اور مفید ہیں۔ مگر ان میں تفصیل و تطویل نہیں۔ لیکن مثنوی کی حکایات کی ہر حکایت کا سبق میں نے ایک نرالے انداز میں اور تفصیل و تطویل کیساتھ لکھا ہے۔ واعظین حضرات ایک حکایت ہی سنا کر اس کا سبق سنا کر پورا وعظ سنا سکتے ہیں۔ مثنوی شریف میں سینکڑوں حکایات ہیں۔ فی الحال میں نے ۹۲ حکایات لکھی ہیں۔ انشاءاللہ العزیز دوسرے حصہ میں کچھ اور بھی حکایات جمع کر کے پیش کرونگا۔

ابوالنور محمد بشیر

مثنوی

مثنویِ حضرتِ مولائے رُوم
پڑ گئی ہے جس کی دُنیا بھر میں دھوم
جو حکایت ہے سبق آموز ہے!
اور نتیجہ خیز حق آموز ہے!
کچھ حکایات اُن کی میں نے ہیں لکھیں
اور نرالے رنگ سے ہیں جمع کیں
میرا دعوٰی ہے کہ یہ میری کتاب
مثنوی کا ترجمہ ہے لاجواب
ترجمے ہیں مثنوی کے اور بھی
رنگ اِس کا ہے مگر کچھ اور ہی
ہیں مُفید و بے مثال و بے نظیر
جو سبق لکھے ہیں تو نے اے بشیر

حکایاتِ مثنوی

موتی ہیں معرفت کے حکایاتِ مثنوی

عرفان ہی کی بات ہے ہر باتِ مثنوی

شیطان کے خیال سے بچنے کیواسطے

میں نے کیے ہیں جمع خیالاتِ مثنوی

عرفان و معرفت کے وہیں پھول کھل گئے

ہونے لگی کہیں بھی جو برساتِ مثنوی!

کیسے عجیب لکھے ہیں تو نے سبق بشیر

سارے سبق یہ تیرے ہیں برکاتِ مثنوی

مثنوی ہے ایک دریا بے کنار
میں نے اِس کو کر دیا کوزے میں بند
خود پکار اُٹھے ہیں مولانائے روم
"ہر کسے را بہرِ کارے ساختند"

فارسی کو گر نہیں تو جانتا!
اِس مری تالیف کو تو لے کے آ
کہہ گئے ہیں مولوئ معنوی
"ور نداری چشم دست آور عصا"

مثنوی کی حکایات

کی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ کی شہرہ آفاق کتاب مثنوی شریف سے منتخب

دلچسپ اور سبق آموز

مثنوی کی حکایات

حکایت نمبر ۱

خدا اور ایک فلسفی

ایک قاری بلند آواز سے قرآن حکیم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآءُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۔ (سورۃ الملک ع ۲)

"اے رسول! ان سے کہو کہ بھلا دیکھو
تو یہ تمہارا پانی خشک ہو جائے تو پھر
کون ہے؟ جو تمہارے لئے پانی کے
چشمے جاری کر دے"

ایک فلسفی نے جب اس آیت کو سنا تو بڑی حقارت کے ساتھ مسکرانے لگا۔ اور بولا کہ وہ دن گزر گئے جب انسان پانی کے لئے ترس جایا کرتے تھے۔ یہ دور سائنس اور فلسفہ کا ہے۔ اگر پانی خشک ہو جائے۔ تو کیا غم ہے؟ ہم ٹیوب ویل لگا کر زمین کی پاتال سے بھی پانی نکال سکتے ہیں۔

رات کو سویا تو فلسفی نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا بزرگ نے فلسفی کو اس زور کا تھپڑ مارا۔ کہ اس کی آنکھوں سے نور کے قطرے بہہ گئے۔ اور وہ اندھا ہو گیا۔ خواب میں ایک مہیب آواز آئی۔

"اگر تو سچا ہے تو آنکھ کے چشمے میں بھی پانی لا کر دکھا۔"
فلسفی صبح بیدار ہوا تو خواب کا ماجرا حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ بصیرت سے تو پہلے ہی محروم تھا۔ اب بصارت

سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ بدبخت کی آنکھ پر فلسفہ نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ اُسے توبہ کرنے کی بھی توفیق نہ ہو سکی۔ ورنہ اب بھی بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دُعا کرتا تو کیا بعید تھا۔ کہ خُدا کے دریائے رحمت میں جوش آ جاتا اور اس کی آنکھوں کا نُور واپس آ جاتا۔

سبق

ایسا فلسفہ اور سائنس جو انسان کو خُدا سے ٹکرانے لگے انسان کیلئے سراسر ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے۔ مانا کہ آجکل انسان نے فلسفہ و سائنس میں بڑی ترقی کر لی ہے۔ لیکن یہ ترقی بھی خُدا ہی کی عطا کردہ ہے۔ اسلام کا سبق یہ ہے کہ خُدا داد عقل سے اُس کے انعامات کی تلاش کرو۔ زمین کے خزانے نکالو۔ خلا میں راکٹ اُچھالو۔ لیکن اُسے بہرحال خُدا ہی کا کرم سمجھو۔ اور اس کی بے پناہ قدرتوں کا اعتراف کرو۔

قارون کو خدا نے اتنا خزانہ دیا۔ جس کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں۔ لیکن جب اس سے کہا

گیا۔ کہ اس کثرتِ مال پر اِترا نہیں۔ اور اس مال سے آخرت کا گھر طلب کر۔ اور جیسا اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تو بھی احسان کر۔ اور زمین پر فساد نہ کر۔ تو کہنے لگا۔

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (پ۲۰ ع۱۱)

بولا یہ تو مجھے اپنے علم سے ملا ہے
جو کچھ میرے پاس ہے۔

یعنی سارا مال تو میں نے اپنے علم سے حاصل کیا ہے خدا کا اس میں کیا دخل؟ (معاذ اللہ) اس کے تکبّر کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ۔

فَخَسَفْنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الْاَرْضَ۔ (پ۲۰ ع۱۱)

تو ہم نے اُسے اور اس کے گھر کو زمین
میں دھنسا دیا۔

قارون خُدا کو بھُولا تو اس کی ترّقی اُسے لے ڈوبی فرعون کو خدا نے اتنی بڑی سلطنت دی۔ مگر وہ بھی خُدا کی عطا کو بھول گیا۔ اور کمبخت خود ہی خُدا بن بیٹھا۔ اور لوگوں سے کہنے لگا۔ لوگو میرے سوا تمہارا کوئی خُدا نہیں۔ (معاذ اللہ) پھر ہامان سے کہنے لگا۔ گارا بنا کر

اینٹیں پکاؤ اور اینٹوں سے ایک بہت اونچا محل بناؤ۔

لَعَلِّیْ اَطَّلِعُ اِلٰی اِلٰهِ مُوْسٰی وَ اِنِّیْ —
لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ۔ (پ۲۰ ع ۷)
شاید میں موسیٰ کے خدا کو جھانک
آؤں۔ اور میرے گمان میں تو موسیٰ
جھوٹا ہے۔ (معاذ اللہ)

فرعون نے خلا میں جھانکنے کے لئے گویا راکٹ تیار کیا۔ اور اوپر جا کر کہا۔ کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کے اس تکبر کا نتیجہ یہ نکلا۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُ فِی
الْیَمِّ۔ پ۲۰ (ع ۷)
تو ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو
پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔

قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق آج بھی جو راکٹ پر سوار ہو کر خلا باز چاند تک پہنچنے کے مدعی ہیں۔ ان کی واپسی فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ کے مطابق پانی ہی میں ہوتی ہے اور واپسی سے پہلے ہی اعلان ہونے لگتا ہے۔ کہ خلا بازوں

کا راکٹ بحراوقیانوس میں گرے گا۔ اس لیئے انہیں بچانے کے لیئے وہاں بحری جہاز بھیج دیئے جاتے ہیں۔ دیکھئے یہ فرعونیت کیا رنگ لاتی ہے۔ خُدا تعالےٰ چاہے۔ تو کسی کو زمین میں دھنسا دے۔ چاہے تو کسی کو سمندر میں غرق کر دے۔ چاہے تو خلا ہی میں مار ڈالے۔ جیسے کہ روس کے خلاباز مارے گئے تھے۔ سائنس سے کام لو۔ مگر اللہ کی بے پناہ طاقت و قدرت کو نہ بھولو۔ ورنہ جو حشر اُس فلسفی کا ہُوا تھا۔ کہ عمر بھر کے لیئے اندھا ہو گیا۔ اور اس کی سائنس کے سارے آلات بیکار پڑے رہے۔ اسی طرح آج بھی خدا اگر چاہتا ہے۔ تو سائنس کے سارے انتظامات ہونے کے باوجود ہوائی جہازوں کو گرا کر سائنس دانوں کو تباہ و ہلاک کر دیتا ہے۔ حتّیٰ کہ ان کی لاشوں کا بھی نشان مٹا دیتا ہے۔ بحری جہازوں کو پانی میں غرق کر کے سائنس کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ خوب یاد رکھیئے۔ سائنس کسی چیز کی مُوجد نہیں۔ مجتسس ہے۔ ایجاد خُدا کرتا ہے۔ اور اس ایجاد کی تلاش سائنس کرتی ہے۔ لیکن آجکل لوگوں نے سائنس کو مُوجد سمجھ لیا ہے۔ پانی کا خالق خُدا ہے۔ اور

سائنس کے آلات اُس پانی کی تلاش کر کے اُسے پا لیتے ہیں۔ اگر کوئی فلسفی اپنے آلات کے باعث یہ کہے۔ کہ میرے پاس آلات ہیں۔ میں اُن آلات سے پانی حاصل کر لوں گا تو گویا اُسے مُوجد ہونے کا دعویٰ ہے۔ حالانکہ موجد خُدا ہے۔ وہ چاہے۔ تو زمین میں پانی پیدا کرے۔ چاہے تو نہ کرے۔ اس نے اپنے محبوب حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے ذریعہ اپنی قدرتوں کا ظہور کر کے دکھا دیا ہے۔ کہ اے اپنی سائنس پر ناز کرنے والو! مُوجد میں ہوں میں اگر چاہوں۔ تو اپنے محبوب کی اُنگلیوں سے دریا بہا دوں۔ اور اگر چاہوں۔ تو تمہارے آلاتِ سائنس کے باوجود تمہیں ایک قطرہ پانی کا بھی نہ پانے دوں۔ چاہوں تو تمہاری آنکھوں میں قطرہ نور پیدا کر کے تمہاری چشم کو چشمہ نور بنا دوں۔ چاہوں تو اس چشمہ کو خشک کر کے تمہیں اندھا کر دوں۔ بہر حال فلسفہ و سائنس پر نظر نہ رکھو۔ خالق سائنس پر نظر رکھو۔ اور ان عارضی کامیابیوں پر اترائو نہیں۔ خدا اگر ڈھیل دیتا ہے۔ تو اس کا یہ معنی نہیں۔ کہ تم اب آزاد ہو۔ نہیں بلکہ تم ہر وقت اس کے قبضہ

میں ہو۔ جب چاہے۔ تمہیں اندھا کر دے۔ اور مار ڈالے۔ ؎

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

سائنسدان خوش ہیں۔ کہ ہم چاند پر جا پہنچے۔ مگر انہیں یہ خبر نہیں۔ کہ موت کا کانٹا ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔ مچھلی کانٹا نگل کر لاکھ دوڑے۔ مگر شکاری اس کی اس دوڑ پر یہی کہے گا۔ کہ دوڑ لے۔ کانٹا تو تم نگل چکی ہو۔ اور ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ جس وقت بھی میں نے جھٹکا دیا آؤ گی تم میرے پاس ہی۔ تو اے فلسفیو اور سائنسدانو موت کا کانٹا تو تم سب نگل چکے ہو۔ چاند سے بھی پرے دوڑ کر دیکھ لو۔ کہ زندگی کی ڈور تو خدا کے ہاتھ میں ہی ہے جس وقت بھی موت کا جھٹکا آیا۔ جانا تم نے خدا ہی کے پاس ہے۔ الغرض ؎

ایسی بے بنیاد باتوں پر نہ پھول
خالقِ سائنس کو ہرگز نہ بھول

حکایت نمبر۲

ساقیٔ کوثر آتے ہیں

صحرائے عرب میں ایک قافلہ بادیہ پیما تھا۔ یہ قافلہ سینکڑوں افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں مرد بھی تھے۔ عورتیں بھی، بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ اچانک قافلہ والوں کا پانی ختم ہو گیا۔ دُور دُور تک بستی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ گرمی اور پیاس کی شدت کے باعث ان کے اُونٹ نڈھال ہو گئے۔ بوڑھوں کی زبانیں باہر آگئیں۔ بچوں نے رونا شروع کر دیا، عورتیں بے ہوش ہو گئیں اور جوانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ الغرض وہ لوگ زندگی سے مایوس ہو کر موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ اب دیکھئے۔ خدا تعالےٰ ان لوگوں کی مدد کے لئے حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ و سلم کو وہاں بھیجتا ہے۔

ناگہانے آں مغیثِ ہر دو کون ؎

مُصطفےٰ پیدا شدہ از بہر عون

میں ہو۔ جب چاہے۔ تمہیں اندھا کر دے۔ اور مار ڈالے

؎ مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

سائنسدان خوش ہیں۔ کہ ہم چاند پر جا پہنچے۔ مگر انہیں یہ خبر نہیں۔ کہ موت کا کانٹا ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔ مچھلی کانٹا نگل کر لاکھ دوڑے۔ مگر شکاری اس کی اس دوڑ پر یہی کہے گا۔ کہ دوڑ لے۔ کانٹا تو تم نگل چکی ہو۔ اور ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔ جس وقت بھی میں نے جھٹکا دیا آؤ گی تم میرے پاس ہی۔ تو اے فلسفیو اور سائنسدانو موت کا کانٹا تو تم سب نگل چکے ہو۔ چاند سے بھی پرے دوڑ کر دیکھ لو۔ کہ زندگی کی ڈور تو خدا کے ہاتھ میں ہی ہے جس وقت بھی موت کا جھٹکا آیا۔ جانا تم نے خدا ہی کے پاس ہے۔ الغرض ؎

ایسی بے بنیاد باتوں پر نہ پھول
خالقِ سائنس کو ہرگز نہ بھول

حکایت نمبر ۲

ساقیِ کوثر آتے ہیں

صحرائے عرب میں ایک قافلہ بادیہ پیما تھا۔ یہ قافلہ سینکڑوں افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں مرد بھی تھے۔ عورتیں بھی، بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ اچانک قافلہ والوں کا پانی ختم ہو گیا۔ دُور دُور تک بستی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ گرمی اور پیاس کی شدت کے باعث ان کے اُونٹ نڈھال ہو گئے۔ بوڑھوں کی زبانیں باہر آگئیں۔ بچوں نے رونا شروع کر دیا، عورتیں بے ہوش ہو گئیں اور جوانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ الغرض وہ لوگ زندگی سے مایُوس ہو کر موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ اب دیکھئے۔ خُدا تعالےٰ ان لوگوں کی مدد کے لئے حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہاں بھیجتا ہے۔

ناگہانے آں مغیثِ ہر دو کون ؎

مُصطفےٰ پیدا شدہ از بہر عون

ہر کجا دردے دوا آں جا رود
ہر کجا فقرے نوا آں جا رود
ہر کجا مشکل جواب آں جا رود
ہر کجا پستی است آب آں جا رود

(۱) اچانک کونین کے فریاد رس محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرمانے کے لئے تشریف لے آئے۔

(۲) جہاں درد ہو، دوا وُہیں پہنچتی ہے، جہاں فقر ہو نوا وُہیں پہنچتی ہے۔

(۳) جہاں مشکل ہو جواب وُہیں پہنچتا ہے، جہاں پستی ہو، پانی وہیں پہنچتا ہے۔

آپ نے فرمایا، اے پیاسو! غم نہ کرو۔ میں آگیا ہوں قافلہ والے اپنے مقدر پر ناز کرنے لگے۔ کہ ہماری پیاس۔ بجھانے کے لئے کوثر و سلسبیل کے ساقی تشریف لے آئے ہیں پورے قافلہ میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ حضور کے دامن سے لپٹنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اس ٹیلہ کے پار ایک ناقہ سوار حبشی جا رہا ہے۔ جس کے پاس پانی کی ایک مشک ہے اُسے میرے پاس لے آؤ۔ چند نوجوان دوڑتے ہُوئے گئے

تو انہیں ایک حبشی نظر آیا جو اُونٹ پر سوار تھا ؎

پس بدو گفتند می خواند ترا
ایں طرف فخر البشر خیر الوریٰ
سیّد و سرور محمد نورِ جاں
بہتر و مہتر شفیعِ مجرماں!

پس وہ اس سے بولے کہ تمہیں فخر البشر خیر الوریٰ بلا رہے ہیں۔ وہ سیّد ہیں سردار ہیں ان کا اسمِ گرامی محمّد ہے وہ جان کا نور، بہتر، افضل اور مجرموں کے شفیع ہیں۔ حبشی نے کہا کہ وہ تو جادُو گر ہے۔ پُوری دُنیا جس کے سحر کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ میں تو اس کے پاس ہرگز نہ جاؤں گا۔ میرے پاس پانی کی مشک ہے۔ جو میں اپنے آقا کے لئے بہت دُور سے خرید کر لایا ہوں۔ میرا آقا میرے انتظار میں ہو گا۔ اُنہوں نے جب حبشی کا انکار دیکھا تو اُسے زبردستی حضُور کی بارگاہ میں لے آئے۔

آپ نے حبشی سے مشک کو لیا۔ اس پر رحمت کا ہاتھ پھیر کر کہا کہ اے پیاسو! آؤ۔ خود بھی پانی پیو، اپنے جانوروں کو بھی پلاؤ اور اپنے تمام مشکیزے بھی بھر لو۔ قافلہ والوں

نے جی بھر کر پانی پیا۔ جانوروں کو پلایا۔ اور اپنے مشکیزوں کو بھی بھر لیا۔ لیکن حبشی کی مشک سے ایک گھونٹ بھی کم نہ ہُوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ نے حبشی کو حیرت میں ڈال دیا ؎

آں سیاہ حیراں شد از برہانِ او
می دمید از لامکاں ایمانِ او
چشمۂ دید از ہوا ریزاں شدہ
مشکِ او روپوشِ فیضِ آں شدہ
چشم ہا پُر آب کرد آں دم غلام
شد فراموشش ز خواجہ وز مقام
دست ہائے مصطفٰےؐ بر رو نہاد
بوسہ ہائے عاشقانہ بس بداد

وہ حبشی آپ کا برہان دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لامکان سے ایمان اس کی جانب لپکا۔ اس نے دیکھا۔ کہ فضا میں ایک چشمہ بہہ رہا ہے۔ جس کا پانی اس کی مشک میں داخل ہو رہا ہے۔ حبشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُسے اپنا مالک اور

مقام بھول گئے۔ اس نے سرکار کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں پر رکھا۔ پھر وہ حضور کے دستِ مبارک کو بوسہ دینے لگا۔ تو

مصطفےٰ! دستِ مبارک بر رُخش
آں زماں مالید کرد او فرخش
شد سپید آں زنگی زادۂ حبش!
ہمچو بدر و روزِ روشن شد شبش

حضور نے اس کے چہرہ پر دستِ انور پھیر کر اُسے مسرور کر دیا۔ آپ کا ہاتھ پھیرنا تھا۔ کہ سیاہ رو حبشی چاند کی طرح حسین ہو گیا۔ اس کی تاریک رات روزِ روشن میں بدل گئی۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کہ اب تم جاؤ۔ تمہارا مالک انتظار کر رہا ہے۔

چاند سے چہرے والا حبشی باولِ ناخواستہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچا۔ تو اس کے آقا نے اس کو نہ پہچانا۔ وہ بولا اُونٹ میرا ہے۔ مشکیزہ بھی میرا ہے۔ لیکن تم کون ہو؟ حبشی بولا۔ جناب میں آپ کا غلام ہوں۔ مالک نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ میرا غلام بدصورت اور سیاہ رو تھا۔ تم گورے اور خُوبصورت ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ تم کون ہو؟

حبشی نے جواب دیا کہ میں ہی آپ کا غلام ہوں: جناب! اگر یقین نہیں آتا۔ تو آپ کو ابھی یقین دلائے دیتا ہوں۔ حبشی نے اپنے مالک کے تمام گھریلو حالات بیان کر دیئے۔ مالک حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ تمہارا رنگ کیسے بدلا؟ تو ؎

گفت من گرچہ سیاہ رو بودہ ام
کرد دستِ فضلِ یزداں روشنم
دیدہ ام صدرے و بدرے گشتہ ام
صاحبِ فضلے و قدرے گشتہ ام

حبشی نے کہا کہ میں اگرچہ سیہ رو تھا۔ لیکن اللہ کے فضل کے ہاتھ نے مجھے روشن کر دیا ہے۔ میں نے صدرِ کائنات کو دیکھا ہے۔ تو بدرِ کامل بن گیا ہوں۔ اب میں بزرگی اور فضیلت والا ہو گیا ہوں۔ حبشی کے آقا نے حضور کے معجزہ کو سن کر اُسے آزاد کر دیا۔ اور خود حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

سبق

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم "مغیث ہر دو کون" بن کر تشریف لائے ہیں یعنی دونوں جہاں کے فریاد رس

اور سب کی مدد فرمانے والے۔ حضور کے کسی غلام کو کہیں بھی کوئی تکلیف پہنچے۔ تو عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ۔ کے مطابق ہماری تکلیف حضور پر گراں گزرتی ہے۔ اور حضور مدد فرمانے تشریف لے آتے ہیں۔ اعلحضرت نے خوب لکھا ہے ؎

فریاد اُمتی جو کرے حالِ زار کی
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ کے مطابق قافلہ والوں کی یہ شدت پیاس اُن کے لئے رحمت بن گئی۔ کہ خود رحمتِ عالم اُن کے پاس تشریف لے آئے۔ آپ کے تشریف لے آنے پر قافلہ والوں میں جان پڑ گئی۔ کہ جانِ عالم تشریف لے آئے۔ قافلہ والے جو رو رہے تھے۔ اب ہنسنے لگے۔ قیامت کے روز بھی اُمتی شدتِ پیاس اور اس روز کے خوف و ہراس لیے۔ بے ہوش و نڈھال اور انتہائی بے قرار ہونگے تو اس روز بھی ؎

ناگہانے آں مغیث ہر دو کون
مصطفٰے پیدا شدہ از بہر عون

حضور ہماری مدد کرنے کو تشریف لے آئیں گے۔ اور بقول

اعلیٰحضرت ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائینگے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائینگے
سوختہ جانوں پہ وہ پُر جوش رحمت آئے ہیں
آبِ کوثر سے لگی دل کی بُجھاتے جائینگے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پیاسوں کو حکم دیا۔ کہ اس ٹیلہ کے پار ایک ناقہ سوار جا رہا ہے۔ جس کے پاس پانی کی مشک ہے۔ اُسے میرے پاس لے آؤ۔ معلوم ہُوا۔ کہ ٹیلہ کے پار کی جو چیز دوسرے کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ اُسے حضور کی آنکھ نے دیکھ لیا۔ گویا حضور کی آنکھوں کے سامنے رُوئے زمین کی ہر چیز ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا۔ کہ میں دنیا اور اس میں قیامت تک کے ہونے والے حالات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ جیسے اپنی ہتھیلی کو۔ (مواہب لدنیہ) وہ خُدا جانے کن لوگوں کا نبی ہے۔ جسے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ ایسی باتیں کرنے والے دراصل خود ہی بے خبر ہوتے ہیں۔ نبی تو ہوتا ہی خبر والا ہے۔ جسے خبر نہیں۔ وُہی یہ کہتا ہے کہ نبی کو خبر نہیں اور خبر والے یہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کو فرش و

عرش کی ہر بات کی خبر ہے۔ میں نے لکھا ہے ے

تو دانائے ماکان اور مایکون ہے

مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اسلام کی پیاس اور ایمان کا پاس رکھنے والے صاحب اقتدار حضور کے حکم کو زبردستی بھی منوا لیتے ہیں۔ یعنی قانون کے زور سے حضور کا حکم نافذ کر دیتے ہیں۔ اور حضور کی بارگاہ میں سب کو لے آتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور نے جو پانی کی مشک منگوا کر اس ایک مشک سے دریا بہا دیئے۔ اور بغیر مشک کے اتنا پانی مہیّا نہ فرمایا۔ اس میں یہ راز تھا۔ کہ نہ سے ہاں۔ نابود سے بود اور معدوم سے موجود کرنا خدا کا کام ہے۔ اور تھوڑے سے زیادہ کرنا مصطفےٰ کا کام ہے۔ اسی طرح ہم گنہ گاروں کے جو تھوڑے بہت نیک عمل ہوں گے۔ قیامت کے روز حضور کی نظر شفاعت سے بہت زیادہ ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور کے اس دریائے رحمت کو دیکھ کر حبشی نے حضور کا دست رحمت آنکھوں پر رکھا۔ اور چوما۔ اور حضور نے خوش ہو کر اپنا ہاتھ مبارک اس کے منہ پر پھیرا۔ تو اس کی سیاہی دور اور صورت

پر نور ہو گئی۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح آج جو مسلمان حضور کے فضائل و کمالات اور معجزات سنتا سناتا رہتا ہے محبّت کے ساتھ حضور کا نام پاک سُن کر چوم کر آنکھوں پر لگا لیتا ہے۔ تو حضور اپنے اس غلام پر خوش ہو کر کیوں نہ اس کے دل اور صورت کو پر نور فرما دیں گے۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حبشی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہو کر اپنے مالک کے پاس پہنچا۔ تو وہ مالک بھی اپنے غلام سے فیض یاب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پاتے ہیں۔ وہ خود بھی منبعِ فیض بن جاتے ہیں۔ اور لوگ ان کی بارگاہوں میں بھی حاضری دینے لگتے ہیں۔ لیکن جو لوگ حضور سے کچھ ملنے کے قائل ہی نہیں۔ نہ انہیں کچھ ملتا ہے۔ اور نہ ان کے پاس کوئی آتا ہے۔ مسلمان کا تو یہ ایمان ہے۔ کہ ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

حکایت نمبر ۳

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک شیر خوار بچہ

ایک مرتبہ ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ گاؤں کی ایک عورت نے جب یہ سُنا تو آپ کو آزمانے کے لئے اور یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ خُدا کے کیسے پیارے ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس عورت کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ جس نے ابھی بولنا بھی نہ سیکھا تھا۔ وہ اس بچہ کو لئے ہوئے حضور کے سامنے پہنچی۔ تو بچہ نے ماں کی گود سے سر نکالا۔ اور ؎

گفت کودک سَلَّمَ اللہ عَلَیک

یَا رَسُولَ اللہِ قَدْ جِئنَا اِلَیکَ!

بچہ بولا۔ اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ بچہ کو اس طرح بولتا ہوا دیکھ کر عورت کو بہت تعجب ہُوا۔ اور حیرت کے ساتھ بچے سے پُوچھنے لگی۔ کہ تجھے بات کرنا کس نے سکھایا؟ اور تو نے

یہ کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟ بچے نے جواب دیا اے ماں! مجھے بولنا خدا نے سکھایا اور مجھ سے اللہ کے فرشتے جبریل نے یہ سب کچھ کہلوایا۔ اس جواب کو سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بچے سے پوچھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ تو بچے نے جواب دیا ؎

گفت نامم پیش حق عبدالعزیز
عبد عزیٰ پیش ایں یکمشت حیز

حضور۔ ماں نے میرا نام عبد عزیٰ رکھا ہے (عزیٰ بت کا نام تھا) لیکن اللہ نے میرا نام عبدالعزیز رکھا ہے۔ حضور میں عزیٰ سے بیزار و بری ہوں۔ خدا تو وہ ہے جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ ماں نے یہ معجزہ اپنی ہی گود میں دیکھا۔ تو مسلمان ہو گئی

سبق

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جن و بشر وحوش و طیور اور شیر خوار بچے بھی تسلیم کرتے ہیں ایک ناسمجھ بچہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان

گیا. لیکن آجکل کے بعض باسمجھ ہونے کے مدعی اور دانشور کہلانے والے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے ارشادات عالیہ کو تسلیم نہیں کرتے. اور اُن ارشادات کو اپنی سمجھ کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں. درحقیقت جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پہچان لے وہ بچہ بھی ہو تو بالغ نظر ہے۔ اور جو نہ پہچانے وہ بوڑھا بھی ہو تو "پیرِ نابالغ ہے" اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک بچہّ بھی مان لیتا ہے. کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن بڑا ہونے پر جیسی اُسے صحبت ملے. وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے. اس لئے سب سے پہلے ماں باپ کا یہ فرض ہے کہ بچے کو حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے شناسا رکھنے کے لئے اُسے اسلامی تعلیم دلائیں۔ اور اگر اُسے اسلام کی کوئی بات نہ پڑھائی گئی. اور اسے صرف دُنیوی تعلیم ہی دی گئی. تو بچہّ بڑا ہو کر حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے آشنا نہ رہے گا. جیسا کہ آجکل کے ماڈرن مسلمان نظر آ رہے ہیں. اُنہیں دُنیا بھر کی تاریخ یاد ہوگی. مگر اپنی اسلامی روایات کا کچھ پتہ ہی نہیں. نماز تک پڑھنی نہیں آتی.

اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے ۔ کہ وہ اپنے بچوں کو سب سے پہلے اسلامی تعلیم دیں۔ ورنہ بڑا ہو کر وہ کچھ بھی بن جائے کیا فائدہ جب حضور ہی سے شناسائی نہ رہی ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
پھر اس کی کیا خوشی کوئی ڈپٹی ہے کوئی جج ہے

حکایت نمبر ۴

ابوجہل

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن مکہ معظمہ میں ابوجہل تھا۔ جب آپ نے لوگوں کو خدا کا پیغام سنانا شروع کیا۔ اور بتوں کی پوجا سے روکا۔ تو بتوں کے پجاریوں کو بہت برا لگا۔ وہ ہر طرح آپ کو ستاتے اور بری بری باتیں آپ کی شان میں بکتے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ابوجہل اپنی مٹھی میں پتھر کی چھ کنکریاں لیکر مٹھی بند کئے ہوئے حضور کی خدمت میں آیا۔ اور کہنے

لگا ؎

گر رسولی چیست در دستم نہاں
چوں خبرداری ز رازِ آسماں

اگر تم واقعی رسول ہو تو بتاؤ میری اس بند مُٹھی میں کیا ہے؟ تم آسمان کی چھپی ہوئی باتیں بتانے کے مدعی ہو۔ میری مُٹھی میں چھپی ہوئی چیز بتاؤ۔ کہ اس میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ؎

گر تو میخواہی بگویم کاں چہاست
یا بگو ینداینکہ ما حقیم و راست!

میں بتاؤں کہ تیری مُٹھی میں کیا ہے۔ یا جو چیز تیری مُٹھی میں ہے۔ وہ بولے کہ میں اللہ کا سچّا رسول ہوں۔ ابُوجہل نے کہا۔ یہ دوسری بات تو بہت ہی عجیب ہے۔ میری مُٹھی کی چیز کیسے بول سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لو غور سے سنو۔ تیری مُٹھی میں پتھر کی چھ کنکریاں ہیں۔ اب ان کنکریوں سے ہمارا کلمہ سنو۔ ؎

از میانِ مشتِ او ہر پارہ سنگ
در شہادت گفتن آمد بے درنگ

لا الٰہ گفت و اِلّا اللہ گفت
محمد احمد رسول اللہ سفت

ابُوجہل نے سُنا کہ کنکر اس کی مٹھی میں بل کر کلمہ پڑھنے لگے۔ ابُوجہل نے یہ معجزہ دیکھا۔ تو کنکریوں کو زمین پر پھینک کر کہنے لگا۔ اے محمد! تم سے بڑا جادوگر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ (معاذ اللہ!)

سبق

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کا ذرہ ذرّہ پہچانتا ہے۔ اور شجر و حجر بھی حضور کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ مگر کافر ایسے بدنصیب ہیں۔ کہ انہوں نے حضور کی رسالت کا اعتراف نہ کیا۔ اور ایسے بیوقوف ہیں۔ کہ نہیں جانتے کہ جن پتھروں کے بُت بنا کر ہم انہیں پوجتے ہیں۔ وُہی ہمارے معبود بھی حضور کو رسول اللہ مانتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ ہمارے حضور کے معجزات دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام کے معجزات سے بڑھے ہُوئے ہیں۔ حضرت عیسٰے علیہ السّلام مُردے کو زندہ کر دیتے تھے یہ

بھی عظیم معجزہ ہے۔ مگر عظیم تر معجزہ یہ ہے۔ کہ پتھر سے اپنا کلمہ پڑھوا لینا۔ کیونکہ مردے میں پہلے جان تھی۔ جو نکل گئی۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے معجزے سے پھر عود کر آئی۔ مگر پتھر میں نہ پہلے جان تھی۔ اور نہ اب۔ ایسے بے جان کو زندہ کر دینا اور اُسے یہ شعور بخشنا۔ کہ وہ اللہ کی توحید اور حضور کی رسالت کا اعلان کرے۔ یہ احیاءِ موتیٰ سے بُلند تر معجزہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ ابُوجہل بھی جانتا تھا۔ کہ جو اللہ کا رسُول ہو۔ وہ چُھپی چیز کو جان لیتا ہے اور مُٹھی میں غائب چیز کا اُسے علم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو اُس نے یُوں کہا تھا۔ کہ اگر تم رسول ہو۔ تو بتاؤ۔ میری مٹھی میں کیا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص حضور کے علمِ غیب کا اعتراف نہ کرے۔ تو وہ ابُوجہل کا بھی باپ ہُوا یا نہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ پانچ چھ افراد کا مل کر کلمہ پڑھنا۔ ابُوجہل ہی کو بُرا لگا۔ اور اُس نے اُنہیں اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ تاکہ وہ کلمے کی آواز نہ سُن سکے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ ذکرِ جہر جائز ہے۔ اور حضور نے اپنا

معجزہ اسی ذکرِ جہر کے ذریعہ دکھایا۔ مگر آہ! آجکل کا دور! اکبر الٰہ آبادی لکھتے ہیں۔ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خُدا کا اس زمانے میں

حکایت نمبر ۵

نام محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم

نصرانیوں کی ایک بہت بڑی بستی تھی۔ اپنے ایک مذہبی تہوار میں اُنہوں نے انجیل کو کھولا تو ؎

بُود در انجیل نامِ مصطفےٰ
آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا
بود ذکرِ حلیہ ہا و شکلِ او
بود ذکرِ صوم و غزو اکلِ او

انجیل میں بحرِ صفا، پیغمبروں کے رہنما، محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی مرقوم تھا۔ آپ کی شکل

مبارک، آپ کے غزوات، روزوں حتیٰ کہ آپ کی خورد و نوش تک کا ذکر موجود تھا۔ نصرانیوں کے ایک گروہ نے حضور کے اسم گرامی کی سخت توہین کرتے ہوئے ٹھکرا دیا لیکن دوسرے گروہ نے حضور کے نام کی تعظیم کرتے ہوئے

بوسہ دادندے بر آں نامِ شریف
رو نہا دندے براں وصفِ لطیف!

اسم گرامی کو چوما اور آنحضرت کے اوصاف کو توجہ کے ساتھ پڑھا۔ ابھی چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ مذکورہ بستی ایک ظالم وزیر کا نشانہ بنی۔ حضور کے نام کی توہین کرنے والے تمام نصرانی وزیر کے ظلم و ستم کا شکار ہو گئے۔ لیکن نامِ احمد کو چومنے والے

ایمن از شرِّ امیران و وزیر
در پناہِ نامِ احمد مستجیر!

ظالم وزیر اور امیروں کے شر سے محفوظ رہے۔ محفوظ کیوں نہ رہتے؟ وہ تو احمد مرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی پناہ میں آ گئے تھے۔ ان کی نسل میں برکت آ گئی اور ان کے کاروبار ترقی پا گئے۔

سبق

مولانا رُومی ہی کے الفاظ میں سُنیئے ؎

نام احمد چوں چنیں یاری کند
تا چہ نورش؟ چوں مددگاری کند
نامِ احمد چوں حصارے شد حصیں
تا چہ باشد ذات آں رُوح الامیں؟

(اللہ اللہ جب) حضور کا نام پاک ایسا مددگار ہے تو اُن کے نور کی مددگاری کا کیا عالم ہوگا؟ نام احمد اتنا پختہ حصار ہے تو اس ذاتِ روح الامیں کا کیسا وقار ہوگا؟ معلوم ہُوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی بھی ناصر و مددگار ہے۔ اور مرض یا دشمنوں کی یلغار کے وقت ہمارے لئے قلعہ و حصار ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ مشکل کے وقت حضور کا نام لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سو گیا اور بالکل بے حس ہو گیا۔ تو آپ نے نعرہ بلند کیا۔ وا محمداہ۔ شاہِ روم نے صحابہ کرام پر یلغار کی۔ تو انہوں نے نعرہ لگایا۔

یا محمد اھ۔ (ہدیۃ المہدی صہ ۲۴ یہ کتاب حضرات اہلحدیث کے امام مولوی وحید الزمان کی تالیف ہے)

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور کے اوصاف کو سننے والے اور آپ کے نام کو چومنے والے نصرانیوں نے بھی حضور کے ذکر و تعظیم سے فوائد و برکات حاصل کر لئے۔ تو آج جو مسلمان محفل میلاد میں شریک ہو کر حضور کا ذکر محبت سے سنتے اور آپ کا نام سُنکر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگا لیتے ہیں۔ وہ کیوں نہ دُنیوی و اُخروی برکات و حسنات سے مستفید ہوں گے؟ ؎

تعظیم جس نے کی ہے محمد کے نام کی
خالق نے اُس پہ آتشِ دوزخ حرام کی

حکایت نمبر ۹

آئینۂ حق نما

ایک دن ابوجہل حضور کے پاس آیا اور

ہیں۔ اور اپنی طرح یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جیسے ہمیں کوئی علم نہیں کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ اسی طرح حضور کو بھی پسِ دیوار کا علم نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے۔ اُنہیں حضور عالِم ماکان و مایکون نظر آتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے حضور کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ اسی طرح جن کے دل سیاہ ہیں۔ وہ حضور کو نُور نہیں دیکھتے اور جن کے دلوں میں نورُ ہے۔ اُنہیں حضور نور نظر آتے ہیں۔ ؎

نورِ ایماں سے جو دل معمور ہیں
وُہ یہ کہتے ہیں "محمد نُور ہیں"

یہاں ایک لطیفہ بہت موزوں رہے گا۔ کہتے ہیں۔ ایک شہر ایسا تھا۔ جس کے باشندوں نے کبھی آئینہ نہ دیکھا تھا۔ اس شہر کا ایک باشندہ کہیں جا رہا تھا۔ اتفاقاً راستے میں اُسے ایک آئینہ مل گیا۔ اُسے جو اٹھایا تو اس میں اپنی شکل دیکھ کر سمجھا کہ یہ میرے ابا جان کا فوٹو ہے۔ چنانچہ بڑی حفاظت کے ساتھ اُسے گھر لے آیا اور الماری میں رکھ دیا۔ دفتر جانے سے پہلے روزانہ الماری کھولتا اور بزعم

خولش اپنے ابا کے درشن کرتا۔ اس کی بیوی کو شک گزرا کہ الماری میں یہ روز کسے دیکھتے ہیں۔ خاوند کے دفتر چلے جانے کے بعد اٹھی۔ الماری کھول کر جو دیکھا تو آئینہ میں اُسے اپنی شکل نظر آئی۔ آئینہ چونکہ اس نے بھی کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُس نے اپنی شکل جو دیکھی۔ تو پیچ وتاب کھا کر رہ گئی اور بڑبڑانے لگی کہ مجھے پہلے ہی شک تھا۔ کہ یہ کسی عورت کو دل دے بیٹھے ہیں۔ اب بھید کھل گیا ہے۔ میرے جیسی حور کے ہوتے ہوئے اس چڑیل پر مر مٹے ہیں۔ اتنے میں شوہر آگیا۔ اس نے روٹی مانگی۔ تو بولی مجھ سے روٹی کیوں مانگتے ہو؟ الماری والی چڑیل سے مانگو۔ شوہر نے کہا۔ مگر وہ تو میرے ابا جان کا فوٹو ہے۔ بولی مجھے بہکاتے ہو۔ وہ تو کوئی بدمعاش بھوتنی ہے۔ میاں بیوی کا جھگڑا بڑھا تو ایک پادری صاحب وہاں سے گزرے۔ سارا قصہ سن کر بولے کہ وہ فوٹو مجھے دکھاؤ۔ پادری صاحب نے بھی آئینہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آئینہ دیکھ کر بولے۔ تم دونوں جھوٹے ہو۔ یہ تو کسی پیر پادری کا فوٹو ہے۔ یہ کہا اد

آئینہ لے کر گرجے میں چلے گئے۔

حکایت نمبر ۷

غیبی بارش

ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے۔ حضور کے ایک رفیق خاص کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ نے خود جنازہ پڑھایا، اپنے غلام کو قبر میں اُتارا، قبر کو مٹی سے بھر کر گویا اِس دانے کو زیرِ خاک حیات تازہ عطا فرمائی۔ تدفین سے فارغ ہو کر آپ گھر تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رُخِ خنداں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ جلد ہی وہ آپ کے کپڑوں کو ٹٹولنے لگیں۔ کبھی کپڑوں پر ہاتھ پھیرتیں تو کبھی عمامہ شریف پر۔ امّ المومنین کے چہرہ پر تحیّر کے آثار دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

"کیا تلاش کر رہی ہو؟"

"یہ دیکھ رہی ہوں. کہ آپ کے کپڑے کیوں نہیں بھیگے؟"
ام المومنین نے جواب دیا۔
پھر وہ کہنے لگیں۔" ابھی ابھی بارش ہو رہی تھی."
"تم نے سر پر کیا ڈالا تھا؟"
"آپ کی چادر! یا رسول اللہ" ؎

گفت بہرِ آں نمود اے پاک جیب
چشم پاکت را خدا بارانِ غیب!
نیست ایں باراں ازیں ابر شما!
ہست باراں دیگر و دیگر سما

حضور نے فرمایا۔ اے پاک دامن! یہ میری چادر کی بدولت تمہیں غیب کی بارش نظر آئی ہے. یہ دُنیوی بارش نہیں۔ یہ دوسرے ہی آسمان یعنی آسمانِ رحمت کی بارشِ رحمت ہے. جس کا نزول میری چادر پر ہو رہا تھا۔ جسے تم نے دُنیوی بارش سمجھ لیا۔

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چادر جس نے اوڑھ لی

اُس پر آسمانِ غیب کی بارشِ غیب ہونے لگی۔ تو جس ذاتِ بابرکات کی وہ چادر ہے۔ اس ذاتِ والا صفات پر عالمِ غیب سے اسرار و رموز اور علومِ غیبیہ کی بارش کیوں نہ ہوتی ہوگی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چادر جس نے بھی اوڑھ لی۔ سمجھ لیجئے۔ اُس پر یہ بات منکشف ہوگئی۔ کہ ہمارے محبوب آقا صلے اللہ علیہ وسلم دانائے غیوب ہیں۔ اور عالم ماکان و مایکون ہیں۔ اور جو اس چادر سے محروم ہے۔ اُس سر ننگے کو یہی معلوم ہے۔ کہ حضور کو کچھ معلوم نہیں۔ معلوم ہُوا۔ کہ حضور کو سب کچھ معلوم ہے۔ اور جسے یہ حقیقت معلوم نہیں۔ اُسے خود کچھ معلوم نہیں۔ میں نے لکھا ہے۔ یا رسول اللہ ؎

تو دانائے ماکان اور مایکون ہے
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

حکایت نمبر ۸

اُمّ المومنین کا پردہ

رضی اللہ عنہا

ایک دن سرکارِ دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر ایک نابینا حاضر ہُوا۔ اندھا اندر داخل ہُوا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا پردہ کے لیئے اندر دوڑ پڑیں۔ حضور نے فرمایا۔ "عائشہ! آنے والا تو نابینا ہے۔ پھر پردہ کس لئے؟ ام المومنین نے اشارے کے ساتھ جواب دیا۔ کہ "میں تو بینا ہوں"۔

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کردار سے اپنی امت کو یہ سبق دیا ہے۔ کہ مسلمان عورت کے لئے پردہ کرنا لازم ہے۔ اور یہ سمجھایا ہے۔ کہ اسلام میں صرف یہی نہیں

کہ غیر مرد عورت کو نہ دیکھے۔ بلکہ عورت بھی کسی غیر مرد کو نہ دیکھے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ
وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔

یا رسول اللہ مسلمان مردوں کو حکم دو۔ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اس کے بعد خدا تعالےٰ نے عورتوں کے لئے بھی فرمایا۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ (پ۱۸ ع ۱۰)

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو۔ کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

یہ ہے اسلامی تعلیم و تہذیب کہ مسلمان مرد و عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ جب غیر مرد کو عورت کا دیکھنا اور عورت کو غیر مرد کا دیکھنا ممنوع ٹھہرا۔ تو مرد یا عورت

میں سے کسی کا نابینا ہونا بے پردگی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ غیر مرد اگر نابینا ہو۔ تو عورت تو نابینا نہیں۔ اور اگر عورت نابینا ہو۔ تو غیر مرد تو نابینا نہیں۔ لیکن افسوس کہ یورپ نے آنکھوں میں عُریانی کی کچھ ایسی دھول ڈال دی ہے۔ کہ مرد اور عورتیں سبھی اندھے ہو گئے۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کے مطابق اور سب کچھ دیکھتے ہیں۔ لیکن اسلامی احکام انہیں نظر نہیں آتے یہ جتنے مرد اور عورتیں عُریانی و فحاشی اور بے حجابی سے پھرتے نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب اندھے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی احکام انہیں نظر نہیں آتے۔ میں نے لکھا ہے ؎

حقیقت ہے یہی جو تابعِ شاہِ مدینہ ہے
اُسی کی آنکھیں ہیں آنکھیں وہی دراصل بینا ہے

حکایت نمبر ۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موزہ شریف میں سانپ

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف میں وضوء کے لئے اپنے موزے اُتارے۔ اچانک ایک عقاب جھپٹا اور آپ کا موزہ اٹھا کر ہوا میں بلند ہو گیا۔ اور ہوا میں لے جاکر اُسے اُلٹا کر نیچے پھینک دیا۔ جس میں سے ایک سانپ نکلا۔ جو مار دیا گیا۔ حضور نے عقاب کو حکم دیا۔ کہ میرے حضور حاضر ہو کر اس کی وجہ بیان کرے۔ کہ اُس نے میری اجازت کے بغیر میرا موزہ کیوں اُٹھایا؟ عقاب حاضر ہُوا۔ اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں نے موزہ کے اندر سانپ دیکھ لیا تھا۔ میں نے چاہا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ آپ اس طرف توجہ نہ فرمائیں۔ اور موزہ پہن لیں۔ اور سانپ آپ کو ایذا دے۔ اس لئے میں نے یہ تدبیر کی۔ حضور نے فرمایا۔ سانپ تو موزے میں تھا۔ اور

تو ہوا میں تجھے موزے کے اندر اتنی دور سے سانپ کیسے نظر آگیا؟ عرض کی ؎

مارِ موزہ من بہ بینم در ہوا
نیست از من عکس تست اے مصطفٰےؐ

حضور میں جب مسجد کے اوپر سے گزرا ہوں۔ تو آپ کے سر انور سے ایک نورانی شعاع نکل رہی تھی جو آسمان پر پہنچی ہوئی تھی۔ جب میں اس نورانی شعاع میں آیا۔ تو چودہ طبق مجھ پر روشن ہو گئے۔ اسی روشنی میں مجھے یہ سانپ نظر آگیا۔ حضور! یہ سب آپ کے نورانی عکس کا کمال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عکسِ نورِ حق ہمہ نوری بود
عکس دور از حق ہمہ دوری بود

نور کا سایہ بھی نور ہوتا ہے۔ اور تاریکی کا سایہ بھی تاریک ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ؎

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود
دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

اگرچہ خُدا نے مجھے ہر غیب پر مطلع کر دیا ہے لیکن اس وقت میرا دل حق میں مشغول تھا۔

سبق

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہمہ گیر ہے۔ ہوا کے پرندے بھی آپ کے خادم و محکوم ہیں۔ اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا یہ عالم ہے۔ کہ آپ کے نور کی شعاعیں آسمان تک بھی پہنچیں۔ اور اگر کوئی پرندہ بھی اس روشنی میں آ گیا۔ تو اس پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اور غائب چیزیں اُسے نظر آنے لگیں۔ پھر وہ جس کے نور سے جانوروں پر چھپی چیزیں ظاہر ہو جائیں۔ خود اس سے کوئی چیز کیسے غائب رہ سکتی ہے ؎

اور کیا غیب تم پر بھلا ہو نہاں!
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ لاکھوں درود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا انکار وُہی کریگا جو حضور کی روشنی سے محروم ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔

کہ کسی بات کی طرف توجّہ نہ کرنا علم کے منافی نہیں۔ چنانچہ حضور نے خود فرمایا۔ کہ اگرچہ ہر غیب پر اللہ نے مجھے مطلع فرما رکھا ہے۔ لیکن اس وقت میرا دل حق میں مشغول تھا۔ اور توجہ اس طرف نہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ نور کا سایہ نوری۔ اور تاریکی کا سایہ تاریکی ہوتا ہے۔ ہم تاریک ہیں۔ ہمارا سایہ بھی تاریک کہ روشنی میں جائیں۔ تو ہمارے سائے سے اندھیرا ہو جائے۔ اور حضور نور ہیں۔ آپ کا سایہ بھی نور کہ اندھیرے میں بھی تشریف لے جائیں۔ تو روشنی ہو جائے۔ جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوئی کمرے میں گم ہو گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ حضور تشریف لائے تو کمرہ جگمگا اُٹھا اور گم شدہ سوئی مل گئی۔

(مدارج شریف)

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اُجالا تھا

حکایت نمبر ۱۰

گستاخِ رسُولؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

ایک گستاخِ رسُول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا تمسخر اڑا کر منہ ٹیڑھا کر کے حضور کا نام لیا۔ جس وقت اس نے ٹیڑھا منہ کر کے نام پاک لیا۔ اُسی وقت اُس کا منہ ویسے کا ویسے ہی ٹیڑھا ہو گیا۔ لاکھ کوشش کی۔ مگر مُنہ سیدھا نہ ہُوا۔ یہ صورت دیکھ کر ناچار وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور عرض کرنے لگا۔ اے مصطفٰے! مجھ سے سخت گستاخی۔ ہوئی۔ میں اپنے اس فعل پر نادم ہوں۔ میری خطا معاف کر دیجئے۔ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ آپ کی گستاخی موجبِ عذاب ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ آپ رحمتِ عالم ہیں۔ میں بصدق دل توبہ کرتا ہوں۔ بِللہ میری۔ خطا مُعاف فرمائیے ؎

مرحمت فرمود سید عفو کرد!
چوں زجرأت توبہ کرد آں روئے زرد

حضور کی رحمت جوش میں آگئی۔ اور فرمایا کہ جا
میں نے معاف کیا۔ وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔

سبق

سب سے بڑا گنہ اور موجبِ عذاب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے۔ اِس گستاخی سے دل تو کج ہوتا ہی ہے۔ مُنہ بھی ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ آج بھی گستاخِ رسول کا مُنہ ٹیڑھا ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے مُنہ سے باتیں بھی ٹیڑھی ہی نکلتی ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے مُنہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ اور حضور کی نعت خوانی سے مُنہ مُبارک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے۔ میں آپ کی نعت پڑھوں۔ حضور نے اجازت مرحمت فرمائی۔ تو حضرت ابن عباس نے ایک

طویل نعت پڑھی۔ اور حضور کی تعریف و توصیف فرمائی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر یہ دُعا دی کہ۔ لَا یُفْضِضُ اللّٰہُ فَاکَ

اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے

(مواہب لدنیہ صـ۱۹۱ جـ۱)

دیکھا آپ نے۔ کہ گستاخِ رسول کا مُنہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اور حضور کے مدح خواں کا منہ سلامت رہتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ منکرین فضائل رسُول کے منہ کالے اور ٹیڑھے ہی نظر آتے ہیں۔ ؎

منکرینِ نعت ہیں کا مسئل سیاہ

اُن کے چہرے ہیں سیہ اور دل سیاہ

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ بزرگانِ دین اور علماء کرام کا نام تمسخر سے اور مُونہہ بگاڑ کر لینا اُسی گستاخِ رسول کی پیروی ہے۔ مولوی کو تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنانا اور ٹیڑھے لہجے میں اس کا نام لینا کوئی نئی بات نہیں۔ ایسے لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی سلوک کرتے رہے۔

اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت اتنی ہمہ گیر ہے۔ کہ بڑے بڑے دشمنوں کو بھی آپ معاف فرما دیتے تھے۔

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ آجکل کا زمانہ چونکہ ترقّی پذیر ہے۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو وہ گستاخ نادم ہوکر دربار رسالت میں معافی چاہنے آ گیا تھا۔ لیکن اس ترقی پذیر دَور کے ترقی یافتہ گستاخ اپنی گستاخی پر اڑے رہتے ہیں۔ اور دربار نبوی میں حاضری دینے سے خود بھی رُکتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ حالاں کہ اس دربار عالی میں حاضر ہوئے بغیر کوئی گنہ مُعاف ہی نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ خُدا کے مقبولوں سے مسخری کرنے سے خُدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور ایسا شخص ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے ؎

جب خُدا چاہے تری پردہ دری
اُس کے پیاروں سے کرے تو مسخری

حکایت نمبر ۱۱

حضرت سلیمان علیہ السّلام اور پرندے

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السّلام نے سارے پرندوں کو حکم دیا۔ کہ میرے دربار میں حاضر ہو کر اپنا اپنا کمال بیان کریں۔ ہر پرندہ بتائے۔ کہ اس میں کیا کمال ہے چنانچہ سب پرندے حاضر ہوئے۔ مور۔ کبوتر۔ ہُدہُد۔ کوا وغیرہ ہر پرندہ حاضر ہو گیا۔ سب اپنا اپنا کمال بیان کرنے لگے۔ ہُدہُد کی باری آئی۔ تو اُس نے کہا۔ حضور! مجھے یہ کمال حاصل ہے۔ کہ چاہے۔ کتنا اُونچا اُڑتا ہوں۔ اور زمین سے کتنی ہی دور ہو جاؤں۔ میری نظر اتنی تیز ہے۔ کہ میلوں دور اوپر سے میں زمین کے ذرّے ذرّے کو دیکھ لیتا ہوں۔ نہ صرف یہ کہ سطح زمین کی ہر چیز کو دیکھ لیتا ہوں۔ بلکہ زمین کے اندر جہاں پانی ہو۔ وہ بھی دیکھ لیتا ہوں۔ اور پھر حضور اس پانی کا ذائقہ بھی معلوم کر لیتا ہوں۔ کہ کڑوا ہے یا میٹھا۔ حضور! آپ مجھے اپنے

ساتھ رکھا کیجئے۔ آپ اپنے تخت پر تشریف فرما کر ہو کر ہوا پر سیر فرماتے ہوئے جہاں بھی جائیں۔ مجھے ساتھ رکھیں۔ میں زمین پر نگاہ رکھا کروں گا۔ جہاں بھی زمین کے اندر میٹھا پانی نظر آیا کرے گا۔ میں بتا دیا کرونگا آپ اپنا تخت وہاں اُتار کر اپنا دربار لگا لیا کیجئے۔

سلیمان علیہ السّلام اس کا یہ کمال سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ ہم نے تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ کوا۔ ہُدہُد کا یہ کمال اور اس کی عزت افزائی سن کر حسد کے مارے جل بھُن گیا۔ اور کہنے لگا۔ حضور! ایک میری عرض بھی سن لیجئے۔ ہُدہُد نے بالکل جھوٹ بولا ہے۔ اس میں ہرگز یہ کمال نہیں ہے جو اس نے بیان کیا۔ اتنی دور آسمان پر اڑتے ہوئے اگر یہ زمین کی سطح کی چیزیں بلکہ زمین کے اندر کی۔ چیزیں بھی دیکھ سکتا ہوتا۔ تو شکاری کے جال میں کبھی نہ پھنستا۔ جال کے اندر جو دانہ پڑا ہوتا ہے اس کو کھانے کے لئے کود پڑتا ہے۔ اور جال اسے نظر ہی نہیں آتا۔ اگر اتنا ہی باکمال ہوتا۔ تو اسے دانے کے

ساتھ جال بھی نظر آجایا کرتا۔

سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے فرمایا۔ سُنا کوّے کا اعتراض؟ تمہارے پاس اُس کا کیا جواب ہے؟ ہُدہُد نے کہا۔ حضور! یہ حاسد ہے۔ اور حسد میں میرے کمال کا انکار کر رہا ہے۔ آپ میرا امتحان لے لیجئے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ اگر صحیح نہ ہو۔ تو ابھی میرا سر تن سے جُدا کر دیجئے۔ حضور! نظر تو میری واقعی بہت تیز ہے لیکن جب اُس پر قضا کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ تو پھر مجھے جال نظر نہیں آتا۔ اس حاسد کو میرے کمال پر اعتراض کرنا تو سُوجھا۔ لیکن اِسے تقدیر و قضا کی حقیقت نہ سوجھی۔

سبق

تقدیر و قضا میں جو لکھا ہو۔ وہ بہر حال ہو کے رہتا ہے۔ انسان لاکھ تدبیریں کرتا ہے۔ اور ان میں وہ کامیابی بھی حاصل کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ساری تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور کامیابی حاصل نہیں

ہوتی. عقل و تدبیر سے ضرور کام لینا چاہیئے۔ لیکن خُدا تعالےٰ کو کسی صورت بھُولنا نہیں چاہیئے۔ ہزار۔ تدابیر کے باوجود بھی بعض اوقات نتیجہ جو اُلٹا نکلتا ہے یہ انسان کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ تم اپنی عقل و تدبیر ہی پر بھروسہ نہ رکھنا۔ ایک طاقت ایسی بھی ہے، جو تمہاری تمام تدابیر کے ہوتے ہُوئے بھی تمہیں کامیاب۔ نہیں ہونے دیتی۔ اور وہ خدا ہے۔ دیکھئے۔ آج ہوائی جہازوں کے، ریلوں کے، اور بسوں کے جو حادثے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہوائی جہازوں بحری جہازوں اور ریلوں کے اس ترقی کے دور میں اتنے اعلےٰ اور مکمل انتظامات ہیں۔ تاکہ کوئی حادثہ نہ ہونے پائے۔ باوجود ان مکمل تدابیر کے پھر بھی جو حادثے واقع ہو جاتے ہیں، بحری جہاز ڈوب جاتے ہیں، ہوائی جہاز گر پڑتے ہیں، ریلوں کی ٹکریں ہو جاتی ہیں۔ یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں. کہ ایک ہستی سب سے بلند و بالا اور سب سے بڑی طاقت والی بھی ہے. جو ان تدابیر کے ہوتے ہوئے بھی جو چاہے کر سکتی ہے. تمہاری تدبیریں دھری دھرائی

رہ جاتی ہیں۔ اور خدا کی تقدیر غالب آجاتی ہے۔ اسی لئے خُدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ کسی سواری پر بھی بیٹھو تو مجھے مت بھولو۔ اور یہ پڑھ لیا کرو۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۔

مگر آجکل اس مادی دور میں اپنی عقل و تدابیر پر تو بیحد ناز ہے اور خُدا پر نظر ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن دنوں حادثوں کی کثرت ہے۔ ان دانشوروں۔ کی عقلوں پر آج کچھ ایسے پردے پڑ گئے ہیں۔ کہ مغربی تہذیب کے جال میں اُنہیں ترقی کا دانہ تو نظر آگیا۔ مگر وہ جال نظر نہ آیا۔ جس میں یہ پھنس کر الحاد کی چھری سے ذبح کر دیئے گئے۔

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ کوّا ایک حاسد جانور ہے۔ یہ کسی صاحبِ کمال کا کمال سُن کر جل بھُن جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ انبیاء کرام علیہم السّلام اور اولیاء کرام کے کمالات سُن کر جل بھُن جاتے ہیں۔ وہ بھی گویا۔ کوّے ہی ہیں۔ کوّے کا اگر جسم سیاہ ہوتا ہے۔ تو اِن کا

دل سیاہ ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگ کوّا کھانے کو ثواب بھی بتاتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہُوا کہ میلوں دُور سے سطح زمین بلکہ زمین کے اندر کی چیزوں کو ہُدہُد کا دیکھ لینا کوّے نے نہیں مانا۔ لیکن اللہ کے پیغمبر سلیمان علیہ السّلام نے مان لیا۔ اب بھی اللہ والوں کے علم و نظر کا اعتراف نہ کرنا کوّا پن ہے۔ اور ان کی وسعتِ نظر و علم کو مان لینا خُدا کے پیغمبر کی اتباع ہے ؎

چھوڑ دے نادانی اور فرزانہ بن
مان علمِ مصطفےٰ کوّا نہ بن!

حکایت نمبر ۱۲

مچھّروں کی میٹنگ

حضرت سلیمان علیہ السّلام کے زمانہ میں چند مچھروں نے ایک باغ میں جمع ہو کر میٹنگ کی۔ کہ اس ہوا نے

ہمیں بڑا تنگ کر رکھا ہے۔ جہاں ہم اکٹھے ہوتے ہیں مل جل کر گانا اور ناچنا شروع کرتے ہیں۔ وہیں یہ ہوا جھونکا بن کر آجاتی ہے۔ اور ہمیں وہاں سے بھگا دیتی ہے۔ کسی جگہ بھی تو یہ ہمیں ٹکنے نہیں دیتی۔ اس کا کیا علاج کریں؟ سب نے یہ رائے پاس کی کہ ایک وفد بنا کر حضرت سلیمان علیہ السّلام کے دربار میں چلتے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السّلام سے عرض کرتے ہیں۔ کہ حضور! یہ ہوا ہمیں ٹکنے نہیں دیتی۔ کہیں بھی ہم اپنے پر کھول کر بیٹھیں اور گانا ناچنا شروع کریں۔ تو یہ جھٹ آپہنچتی ہے۔ اور ہمیں وہاں سے بھگا دیتی ہے۔ چنانچہ مچھروں کا ایک وفد سلیمان علیہ السّلام کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور ہوا کے خلاف یہی شکایت پیش کر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے مچھروں کی شکایت سُنی۔ تو فرمایا۔ تمہاری شکایت میں نے سن لی۔ مگر میرا قاعدہ یہ ہے۔ کہ دو فریق جن کا آپس میں جھگڑا ہو۔ جب تک وہ دونوں حاضر ہو کر روبرو گفتگو نہ کریں۔ اور اپنی اپنی بات

نہ سُنا لیں ۔ میں فیصلہ نہیں کیا کرتا ۔ کیونکہ اس طرح سچ جھوٹ کا پتہ نہیں چلتا تم یکطرفہ ڈگری لینے آئے ہو ۔ اگر فیصلہ چاہتے ہو ۔ تو بتاؤ میں دوسرے فریق یعنی ہوا کو بھی بلا لوں ؟ مچھروں نے کہا ۔ بلوا لیجئے حضور ! ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا ۔ کہ وہ حاضر ہو ۔ سرکاری حکم پا کر ہوا جو آئی ۔ تو سب نے دیکھا ۔ کہ وہاں ایک بھی مچھر باقی نہ رہا ۔ ہوا کے آتے ہی سب غائب ہو گئے ۔

سبق

خُدا تعالےٰ فرماتا ہے ۔

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۔

حق آیا اور باطل بھاگا

اسلام آیا ۔ کُفر بھاگا ۔ مولوی آیا ۔ الحاد بھاگا ۔ مغربی تہذیب کے یہ ماڈرن مچھر جو کلبوں میں مل جُل کر اپنے اپنے فیشن کے پر کھول کر گاتے اور ناچتے ہیں مولوی ایسی محفلوں کا سخت مخالف ہے ۔ ان ماڈرن

مچھروں کو یہ شکایت ہے۔ کہ یہ مولوی ہمیں اُچھلنے کودنے اور گانے بجانے نہیں دیتے۔ رقص و سرود کی جہاں کوئی ہم نے مجلس قائم کی۔ مولوی دھماکہ بن کر آیا۔ اور اس محفل رقص و سرود کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس مولوی کا کیا علاج کریں؟ اب اس موقعہ پر آپ فرض کریں۔ کہ ان ماڈرن مچھروں نے اسلام کے شاہی دربار میں یہ شکایت پیش کی۔ تو اسلام نے فرمایا۔ دوسرے فریق کو حاضر کیا جائے۔ چنانچہ علماء کرام کو جو حاضری کا حکم ملا۔ تو وہ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے ہوئے آئے تو وہاں کسی ماڈرن مچھر کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

ہماری دُعا ہے۔ کہ ہمارے وطنِ عزیز میں اسلامی ہوا چلنی شروع ہو۔ تاکہ ان ماڈرن مچھروں سے ہمیں نجات ملے۔ وہ مچھر اگر باعثِ ملیریا مشہور ہیں۔ تو یہ ماڈرن مچھر باعثِ فسق و فجور ہیں۔ وہ انسان کو کاٹتے ہیں۔ یہ ایمان کو چاٹتے ہیں۔ ان کا نام مچھر

ہے۔ اور اِن کا نام مٹر ہے سے

ہوا اسلام کی چلنے لگے گی
نجات اِن مچھروں سے تب ملیگی

حکایت نمبر ۱۳

موت سے فرار

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السّلام کے دربار میں ایک شخص آیا۔ جو بیحد ڈرا ہُوا تھا۔ اس کا رنگ ڈر کے مارے زرد ہو رہا تھا۔ کانپتی ہوئی آواز میں عرض کرنے لگا۔ حضور! آج میں نے ملک الموت کو دیکھا ہے۔ جو مجھے بڑا گھُور کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے۔ کہ یہ برق مجھ پر گرنے والی ہے۔ حضور! مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ آپ کو اللہ نے بڑی وسیع حکومت عطا فرمائی ہے۔ دیو، پری، جن و انس اور پانی و ہوا پر بھی آپ کی حکومت ہے۔ مجھ پر کرم فرمایئے۔

اور ہوا کو حکم دیجئے۔ کہ وہ مجھے اُڑا کر یہاں سے ہند پہنچا دے۔ میں اگر ہندوستان پہنچ گیا۔ تو پھر ملک الموت کا مجھے ڈر نہ رہے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ہوا کو حکم دیا۔ کہ اسی وقت اِسے ہندوستان پہنچا دو۔ چنانچہ ہوا نے اُسے فوراً ہندوستان پہنچا دیا۔ دوسرے روز دربارِ سلیمان علیہ السّلام میں ملک الموت سلام کے لئے حاضر ہُوا۔ سلیمان علیہ السّلام نے پُوچھا۔ کل جس آدمی کو تم نے گھور کر دیکھا تھا۔ وہ بچارا ڈر کے مارے یہاں سے ہندوستان چلا گیا۔ بات کیا تھی؟ تم اُسے کیوں گھورا رہے تھے؟ ملک الموت نے عرض کیا۔ حضور! مجھے خُدا کا یہ حکم تھا۔ کہ اس شخص کی جان میں فلاں وقت ہندوستان کی سرزمین پر قبض کروں۔ میں اُسے یہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اِس کی موت کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اور یہ بجائے ہندوستان کے یہاں ہے۔ اپنے وقت پر یہ ہندوستان کیسے پہنچ سکے گا؟ اور میں اس کی جان وہاں کیسے قبض کر سکوں گا؟ میں اسی خیال میں تھا۔ کہ اُس نے خود ہی آپ سے درخواست

کی۔ کہ ہوا اُسے ہندوستان پہنچا آئے۔ چنانچہ وہ ٹھیک اپنی موت کے وقت ہندوستان پہنچ گیا۔ اور میں نے وہاں پہنچتے ہی اس کی جان قبض کرلی۔

سبق

موت سے فرار ناممکن ہے۔ کہیں بھی چلے جائیے۔ اور لاکھ تدبیریں کیجئے۔ موت سے نجات ناممکن ہے۔ انسان کی تدبیر خدا کی تقدیر کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں آجکل سائنس نے بیحد ترقی کرلی ہے۔ اور بقول اہل۔ سائنس انسان چاند پر بھی جا پہنچا ہے۔ زمین کی کشش اور چاند کی کشش سے تو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نکل سکتے ہیں اور نکل رہے ہیں۔ لیکن موت کی کشش سے بھی کیا یہ نکل سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ روس کے تین خلاباز جو اُوپر جاکر مر گئے تھے۔ ملک الموت کو ان کے لئے یہی حکم تھا۔ کہ ان تینوں کی جان خلا میں قبض کیجائے چنانچہ وہ خود ہی روسی حکومت کے بل بوتے پر اوپر گئے۔ اور ان کی موت کے وقت ملک الموت نے وہاں

پہنچ کر اپنا کام کر لیا۔ اور یہ خُدا ہی جانتا ہے۔ کہ آئندہ کس کس کے لئے خلا میں جان قبض کرنے کا حکم ملک الموت کو مل چکا ہے۔ الغرض لاکھ ترقی کیجئے۔ لیکن موت سے فرار ناممکن ہے کسی نے لکھا ہے کہ ؎

چاند پر چڑھ جائیے مرنا ہے پھر بھی ایک دن
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے!

حکایت نمبر ۱۴

تحفۂ دوست

حضرت یُوسف علیہ السّلام تختِ مصر پر فروکش تھے ایک دن آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہُوا۔ جو آپ کا بچپن کا ساتھی تھا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے تعظیم و توقیر کے بعد اس سے پُوچھا۔ کہ تم اتنی دور سے مجھے ملنے کے لئے آئے ہو۔ بتاؤ میرے لئے کیا تحفہ لے کر آئے ہو؟ کیوں کہ دوستوں کے ہاں خالی ہاتھ آنا

مناسب نہیں ہوتا۔ دوست نے جواب دیا۔ کہ حضور میں خالی ہاتھ نہیں آیا۔ تحفہ لے کر آیا ہوں۔ "تو لاؤ پھر! کون سا تحفہ ہے؟"

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ تو مہمان نے کہا۔ کہ میں نے بہت سوچا۔ کہ آپ کے شایانِ شان تحفہ لاؤں۔ لیکن دُنیا کی کوئی چیز مجھے پسند نہ آئی۔ سونا، کان کے آگے۔ اور قطرہ دریا کے سامنے کیا وقعت رکھتا ہے؟ بڑی سوچ بچار کے بعد ایک چیز لے کر آیا ہوں اور وہ ہے۔ "آئینہ" ؎

آئینہ بیروں کشید او از بغل
خوب را آئینہ باشد مشتغل

اُس نے پہلو سے آئینہ نکالا، دلبروں کا یہی تو ایک مشغلہ ہوتا ہے۔ مہمان نے کہا۔ کہ حضور آئینے کا انتخاب میں نے اِس لئے کیا ہے۔ کہ اس میں آپ کو "آپ نظر آئیں گے"، اور آپ سے بڑھ کر دُنیا کا کون سا تحفہ ہو سکتا ہے؟ حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنے دوست کے اس تحفہ کے انتخاب پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور تحفہ قبول فرما لیا

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔

اللہ کے اخلاق و اوصاف کو اپناؤ

وہ کریم ہے۔ تم بھی کرم سے کام لیا کرو۔ وہ ستّار ہے تم بھی دوسروں کی عیب پوشی کیا کرو۔ وہ غفور ہے۔ تم بھی عفو سے کام لیا کرو۔ وہ عادل ہے۔ تم بھی انصاف کیا کرو۔ وہ رزّاق ہے۔ تم بھی غریبوں مسکینوں کو کھلایا پلایا کرو۔ الغرض خدا تعالےٰ کے اوصاف اپنانے سے ایک سچّے مسلمان کا دل مثل آئینہ کے صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔ اور وُہ خُدا کے اوصاف کا مظہر بن جاتا ہے۔ ایسے مسلمان سے خدا تعالےٰ جب بروز قیامت دریافت فرمائے گا۔ کہ تو میرے لئے کیا تحفہ لایا۔

چنانچہ مولانا رومی ہی فرماتے ہیں ؎

حق تعالےٰ خلق را گوید بحشر

ارمغاں کو از برائے روز نشر

ہیں چہ آور دید دستاویز را
ارمغانِ روزِ رستا خیز را

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالےٰ مخلوق سے فرمائے گا۔ کہ قیامت کے دن کے لئے کون سا تحفہ لے کر آئے ہو۔

(۲) قیامت کے دن کے لئے بطور تحفہ تم کون سی دستاویز لے کر آئے ہو؟

تو ایسا مسلمان جواب دے گا الٰہی! میں کیا اور کون ہوں جو تیری شان کے لائق کوئی تحفہ لاتا۔ یہ میرے دل کا آئینہ قبول فرما۔ اس میں تیرے محبوب کی تعلیم سے میں نے تیرے ہی اوصاف کی جھلک پیدا کر لی ہے۔ اس سے بڑھ کر تیری شان کے لائق مجھ عاجز بندے کے پاس اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔ ؏

خانۂ دل دیکھئے اِس گھر میں کون آباد ہے

حکایت نمبر ۱۵

ایک مشرک بادشاہ

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک مشرک بادشاہ تھا۔ جو بُت پرست تھا۔ اس نے ایک روز ایک بہت بڑا گڑھا کھود کر اس میں آگ جلا کر ایک آتشکدہ تیار کیا۔ آتشکدہ کے قریب ایک بُت نصب کر کے شہر بھر میں اعلان کر دیا۔ کہ سب مرد اور عورتیں یہاں آئیں۔ اور اس بُت کو سجدہ کریں۔ جو سجدہ کرے گا۔ بچ جائے گا۔ جو نہ کرے گا۔ اُسے اس جلتی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ چنانچہ اس اعلان پر لوگ وہاں جمع ہوئے اور اپنی اپنی جان بچانے کے لئے بُت کو سجدہ کرنے لگے۔ ایک ایک کر کے آتے۔ اور سجدہ کر کے آگ سے بچ جاتے۔ ایک عورت جس کی گود میں شیر خوار بچہ بھی تھا۔ اس کی باری آئی۔ تو وہ علے الاعلان کہنے لگی۔ کہ میں خُدا کو چھوڑ کر بُت کو

ہرگز سجدہ نہ کروں گی۔ بادشاہ غصہ میں آگیا۔ اور اُس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ عورت کے سامنے اِس کا بچّہ آگ میں پھینکو۔ پھر دیکھو یہ کیا کہتی ہے۔ سپاہیوں نے اس کا بچّہ چھین کر آگ میں پھینک دیا۔ بچّے کا یہ حشر دیکھ کر ماں بے چین ہو گئی۔ اور کچھ ڈر بھی گئی۔ اور سوچنے لگی۔ کہ جان بچانے کے لئے بُت کو سجدہ کر لوں۔ تو کیا حرج ہے؛ چنانچہ اس خیال سے بُت کو سجدہ کرنے کے لئے آگے بڑھی۔ تو ؎

بُت کے آگے تھی جھکانے کو وہ سر
بچہ بولا دیکھ ماں ایسا نہ کر!
نام کی گرمی نہیں اس آگ میں!
اور نہیں سوزش کہیں اس آگ میں
منکروں کے واسطے یہ داغ ہے
مومنوں کے واسطے یہ باغ ہے
آگ کیا ہے یہ تو ہے باغِ خلیل
اس میں ہیں موجود کوثر سلسبیل

آپ بھی آ اَوروں کو ساتھ لا ○ حق نے اسکو مجھ پہ گلشن کر دیا

بچے کا یہ اعلان سُن کر ماں بھی آگ میں کود پڑی اور پھر اپنے بچّے کے ساتھ وہ بھی کہنے لگی ؎

جس کو آنا ہو وہ آئے بے درنگ
اس جگہ ہے باغ کا سب رنگ ڈھنگ

لوگوں نے جو ماں بچے کا یہ اعلان سُنا۔ تو سب نے بُت پر تھوک تھوک کر آگ میں کودنا شروع کر دیا۔ بادشاہ یہ صورتِ حال دیکھ کر بڑا حیران ہُوا کہ یہ تو بات ہی اُلٹی ہو گئی۔ اور پھر بڑے غصّے میں آ کر آگ کو مخاطب کر کے بولا۔ تُو تو ہر چیز کو جلا دیا کرتی ہے۔ یہ تیری جلا دینے کی خاصیّت آج کہاں غائب ہو گئی؟ تُو تو اپنے پوجنے والے کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اور آج اپنے منکروں کو بھی کچھ نہیں کہہ رہی؟ وہ تیری تیزی کہاں گئی؟ آگ میں سے آواز آئی ؎

میرے اندر آ پا آ تُو فتنہ خیز
دیکھ پھر میں آگ ہوں اور کیسی تیز

یعنی میری خاصیّت اور تیزی دیکھنی ہے تو تُو۔

خود میرے اندر آ۔ ارے بیوقوف ! میں بھی کسی کی بندی ہوں۔ دہقان کی کتیا کھیت کے دشمنوں پر شیر کی طرح جھپٹتی ہے۔ لیکن مالک کا کوئی دوست آجائے تو مالک کے سامنے اس کے دوست کے پاؤں میں لوٹتی ہے۔ میں بھی اپنے مالک کے دشمنوں کے لئے آگ ہوں. اور اُس کے دوستوں کے لئے باغ.

سبق

آگ ،پانی ، مٹی ، ہوا ، زمین و آسمان ۔ اور شجر و حجر وغیرہ سب اللہ کے بندے اور اُس کے تابع ہیں اللہ کے دشمنوں کے دشمن اور اُس کے دوستوں کے دوست ہیں۔ انسان کو بھی اپنے اللہ کا صحیح معنوں میں بندہ بننا چاہیئے ۔اس کے احکام پر چلنا چاہیئے۔ اور اللہ کے دشمنوں کا دشمن اور اُس کے دوستوں کا دوست بننا چاہیئے ۔ یہ نہیں کہ اللہ کے دشمنوں سے تو اس کی یاری اور پیار ہو ۔ اور اللہ کے مقبولوں سے بغض و عناد ہو ۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے ۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (پ۳ ع ۱۱)

مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ
بنا لیں ۔ مسلمانوں کے سوا ۔

افسوس کہ آجکل کے دور میں اللہ کے دشمنوں سے یاری اور اُس کے دوستوں سے عناد عام ہے ۔ دشمنانِ دین کو دیکھ کر خوش ہوتے اور بزرگان دین کو دیکھ کر جلتے ہیں ۔ یہ بھی معلوم ہُوا ۔ کہ پہلے زمانہ کی عورتوں کا بھی ایمان بڑا پختہ تھا ۔ اور آجکل کے کئی مرد بھی ایمان کے کمزور ہیں ۔ افسر کی ناراضگی سے ڈرتے ہوئے کئی خلافِ شرع حرکتیں کر گزرتے ہیں ۔ پہلے مسلمان چاہتے تھے کچھ ملے نہ ملے ۔ مگر اللہ ملے ۔ اور آجکل یہ چاہتے ہیں کہ نماز و روزہ کا وقت ملے نہ ملے مگر تنخواہ ملے ۔ سہ

آہ ! اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

حکایت نمبر ۱۶

خُدا کا غصّہ

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے کسی نے دریافت کیا کہ کائنات میں سب سے سخت چیز کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "خُدا کا غُصہ۔ کہ ہماری طرح جہنّم بھی خُدا کے غصہ سے لرزتی ہے۔

اُس نے پھر پُوچھا۔ کہ یا حضرت! خُدا کے غصّہ سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "جب تمہیں کسی پر غصّہ آئے۔ تو خُدا کے غُصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا غصُہ پی جاؤ! کیوں کہ جو شخص دوسروں پر رحمت نہیں کرتا۔ وہ رحمتِ خُدا کی اُمیّد کیسے رکھ سکتا ہے؟

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسُ
جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ خُدا
اُس پر رحم نہیں کرتا۔" (مشکوٰۃ ص۴۲۳)

رحم وُہی کرے گا۔ جو غصّہ کو بھی پی جائے۔ خُدا کو اپنی مخلوق سے پیار ہے۔ اس کی مخلوق پر جو غصّہ کرے اور اُسے ظُلم و ستم کا نشانہ بنائے۔ تو ایسا شخص خُدا کے غصہ کی گرفت میں آجاتا ہے۔ آج دنیا بھر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ سب جانتے ہیں۔ طاقتور ملکوں کو کمزور ملکوں پر غصہ آتا ہے۔ اور وہ کمزور ملکوں کے نہتوں پر بم برسانے لگتے ہیں۔ اور مخلوقِ خُدا کو ہلاک کر دیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے باعث خُدا کا غصہ بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ زلزلوں کی تباہ کاریاں، سیلاب و آندھیوں کی ہلاکت خیزیاں، ایکسیڈنٹوں اور طرح طرح کی مہلک وباؤں کی کثرت یہ سب کچھ کیا ہے؟ خُدا کے غصے کا ظہور۔ میں نے لکھا ہے ؎

اِس طرف تہذیبِ نو ہے اُس طرف تعذیبِ نو
زلزلے طوفان ہیں سیلاب ہے اور آگ ہے

خُدا کے غصّے سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ دانائے روم فرماتے ہیں۔

ے رحم خواہی رحم کن بر اشکبار
رحم خواہی بر ضعیفاں رحم آر

اگر تو رحم چاہتا ہے۔ تو رونے والوں اور ضعیفوں پر رحم کر۔

اُردو کے ایک شاعر نے شاید اسی شعر کا ترجمہ کیا ہے۔ ے

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خُدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

حکایت نمبر ۱۷

احمق

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام ایک روز بڑی سرعت

کے ساتھ شہر سے صحرا کی جانب جا رہے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو یوں جلدی کے ساتھ جاتے دیکھا۔ تو ان سے پوچھا۔ حضور! آپ کس لئے اتنی سرعت کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں؟ کیا آپ کا کوئی دشمن ہے۔ جس سے آپ بھاگ رہے ہیں فرمایا نہیں! میں آ رہا تھا۔ راستے میں ایک احمق مل گیا۔ اس احمق سے دُور بھاگ رہا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! آپ تو اللہ کے رسول ہیں۔ مُردوں کو زندہ، اندھوں کو بینا اور کوڑھوں کو اچھا کر دینے والے ہیں۔ کیا ایک احمق آپ سے اچھا نہیں ہو سکتا؟ فرمایا۔ بے شک میرے اعجاز سے مُردے زندہ ہوئے۔ اندھے بینا ہوئے۔ کوڑھی اچھے ہوئے۔ جس بیمار پر بھی میں نے اسم اعظم پڑھا وہ اچھا ہو گیا۔ مگر یہ اسم اعظم کسی احمق پر جب بھی میں نے پڑھا۔ اس پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اس شخص نے پُوچھا۔ حضور! اِس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا۔ مرض اور احمق میں بڑا فرق ہے۔ سارے مرض مصیبت

ہوتے ہیں۔ اور مصیبت زدہ پر خدا کو رحم آجاتا ہے لیکن حمق قہرِ الٰہی ہوتا ہے۔ اور احمق مقہور ہوتا ہے مقہور پر اللہ کا رحم نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ مستحق قہر کا ہوتا ہے۔ اور جس پر قہرِ الٰہی نازل ہو۔ وہ کسی دوا یا دعا سے اچھا نہیں ہوتا۔

سبق

حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے ارشاد سے ثابت ہُوا کہ حمق خُدا کا قہر ہے۔ احمق خُدا کا مقہور ہے۔ اور احمق پر کسی دوا یا دُعا کا اثر نہیں ہوتا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سب سے بڑا احمق ابُوجہل تھا جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، کمالات اور معجزات کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جو بھی گستاخ ہے۔ وہ احمق ہے۔ کیونکہ اُسے لاکھ سمجھائیے۔ کہ یہ جو تم بک رہے ہو۔ یہ گستاخئ رسول ہے۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ وہ اپنے حمق پر قائم رہے گا۔ خُدا تعالےٰ نے قرآنِ پاک

میں اپنے محبوب کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (پ۲۶ ع ۱۳)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اُونچی
نہ کرو۔ نبی کی آواز سے اور اُن
کے حضور چلّا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں
ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو
کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو
جائیں۔ اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اس ارشاد پاک میں خدا تعالےٰ نے یہ بتایا ہے کہ میرے محبوب کا ادب ملحوظ رکھو۔ ان کی آواز سے آواز اونچی نہ ہونے پائے۔ اُن کے حضور چلّانا بھی نہیں۔ اگر ایسا ہُوا۔ تو سارے اعمال برباد ہو جائینگے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی"۔ اس ارشاد میں صاف فرما دیا گیا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا گستاخ

اپنے سارے اعمال برباد کر لیتا ہے۔ پھر اس بربادی کو سمجھتا بھی نہیں۔ اور ایسا احمق بن جاتا ہے۔ کہ اُسے لاکھ سمجھائیے۔ کہ یہ تم نے گستاخی کی ہے۔ مگر اس کے شعور میں یہ نصیحت و تنبیہ آتی ہی نہیں۔ وہ اپنی گستاخی پر ڈٹا رہتا ہے۔ ایسے گستاخ کا شعور باقی نہیں رہتا۔ اور وہ احمق بن جاتا ہے۔ آج بھی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا تجربہ و ارشاد برحق نظر آرہا ہے۔ کہ احمق پر کوئی دُعا و دلیل اثر انداز نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان احمقوں سے پہلوتہی اور کنارہ کشی کرنی چاہیئے۔

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

زاحمقاں بگریز چوں عیسےٰ گریخت
صحبتِ احمق بسے خوں ہا بریخت

یعنی احمقوں سے اس طرح بھاگ جس طرح حضرت عیسےٰ بھاگے تھے۔ کیوں کہ احمق کی صحبت نے بہت خون بہائے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا مُردوں کو زندہ کرنے، اندھوں کو بینا کرنے، اور کوڑھیوں

کو تندرست کر دینے کا معجزہ بالکل درست ہے۔ آپ کی دعا میں یقیناً یہ اثر تھا۔ کہ بیمار شفا پا لیتے تھے۔ لیکن پیغمبر کی اسقدر زود اثر دعا کا اثر احمق پر نہیں ہوتا تھا۔ گویا حضرت عیسےٰ علیہ السلام میں تو یقیناً فیض بخشنے کی طاقت تھی۔ لیکن احمق میں فیضیاب ہونے کی صلاحیت نہ تھی۔ ہزاروں مردے، اندھے، اور بیمار۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے فیض پا گئے۔ مگر اپنی عدم صلاحیت کے باعث احمق محروم رہا۔ اسی طرح آج بھی اللہ کے مقبولوں کا فیض جاری ہے۔ اور بزرگانِ دین کے آستانوں پر لوگ فیض پانے کے لئے جاتے اور فیض پا کر آتے ہیں۔ ہاں جو احمق ہیں۔ وہ اس فیض رسانی کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ وہاں کیا ہے ہمیں تو نہ کچھ نظر آیا۔ نہ وہاں سے کچھ پایا۔ اگر کوئی یوں کہے تو سمجھ لیجئے یہ احمق ہے۔ اور ایسے احمق سے بھاگئے اور اپنا یہ یقین رکھیئے ؎

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ

یہ اللہ والے ہیں دیتے ہیں سب کچھ
مگر چاہئے اِن سے لینے کا ڈھب کچھ

حکایت نمبر ۱۸

جانوروں کی بولیاں

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! بڑی مدّت سے میری یہ تمنّا ہے کہ میں جانوروں کی بولیاں سمجھنے لگوں۔ کرم فرمائیے اور مجھے جانوروں کی بول چال سمجھا دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا۔ انسان بن اور جانوروں میں شامل ہونے کی تمنّا نہ کر لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور یہی کہتا رہا۔ حضور! میرا یہ شوق ہے۔ پُورا کر دیجئے۔ آپ نے پھر فرمایا۔ خُدا تعالیٰ کی ہر بات میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ انسان جو جانوروں کی بولیاں نہیں سمجھتا۔ اس میں کئی فوائد ہیں۔ اس نے کہا۔ کچھ بھی ہو۔ میرا

شوق پورا کر دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے خدا سے عرض کی۔ الٰہی! یہ شخص اپنی ضد سے باز نہیں آرہا۔ میں کیا کروں؟ خدا نے فرمایا۔ ہم کسی کی دُعا رد نہیں کرتے۔ اس سے کہہ دو۔ کہ اچھا ہم تمہیں جانوروں کے کلام کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ لیکن اس کا انجام اگر اچھا نہ ہُوا۔ تو اس کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔ حضرت موسےٰ علیہ السّلام نے اُس کے لئے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی دُعا کی اور وہ جانوروں کا کلام سمجھنے لگا۔ وہ بڑا خوش ہُوا اور گھر آیا۔ اُس نے ایک کُتّا اور ایک مُرغ پال رکھا تھا۔ ایک اس کی خادمہ بھی تھی۔ کھانے کا وقت آیا۔ تو خادمہ نے دستر خوان بچھایا۔ اور کھانا چنا۔ وہ شخص جب کھانا کھا چکا۔ تو خادمہ نے دستر خوان جھاڑا۔ گوشت کی ایک بوٹی دستر خوان سے گری۔ تو مُرغ نے جھٹ اُسے اُٹھا لیا اور کتا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کُتے نے مُرغ سے شکوہ کیا کہ تُو تو دانہ دُنکا چُن کر پیٹ بھر سکتا ہے۔ بوٹی میری خوراک تھی۔ تو نے اُسے بھی کھا لیا۔ اُسے تم میرے

لئے رہنے دیتے۔ میں بھوکا تھا۔ مگر میری خوراک تم
کھا گئے۔ تم پر بڑا افسوس ہے۔ مُرغ نے جواب دیا۔
غم نہ کر۔ کل ہمارے مالک کا بیل مرجائے گا۔ جی بھر
کر اُس کا گوشت کھانا۔ مالک نے یہ بات سُنی۔ تو اسی
وقت بیل فروخت کر دیا۔ تاکہ یہ مرے۔ تو خریدار کے
گھر جا کر مرے۔ اور میں نقصان سے بچ جاؤں۔ چنانچہ
ایسا ہی ہُوا۔ بیل کی قیمت اسے وصول ہوگئی۔ اور بیل
دوسرے روز خریدار کے گھر جا کر مر گیا۔ دوسرے روز کتے نے مُرغ سے پھر شکوہ کیا
کو بیل تو مالک نے بیچ ہی دیا ہے۔ میں آج پھر بھوکا ہی
رہا۔ مُرغ نے کہا۔ یہ مالک کی غلطی ہے۔ کہ اُس نے
اپنی بلا دوسرے پر ڈال دی۔ اور بیل بیچ دیا۔ اب
سنو کہ مالک کا گھوڑا کل مرجائے گا۔ تم جی بھر کے اُس
کا گوشت کھانا۔ مالک نے یہ بات بھی سمجھ لی اور اُسی
روز گھوڑا بھی بیچ دیا۔ تاکہ اُسے گھوڑے کی قیمت
مل جائے۔ اور نقصان دوسرے کا ہو۔ چنانچہ گھوڑا
بھی دوسرے روز خریدار کے ہاں مر گیا۔ تیسرے روز
کُتے نے مُرغ سے پھر شکوہ کیا۔ اور کہا۔ تم عجب دھوکہ باز

ہو کہ مجھے ہر روز جھوٹ بول کر بہلا دیتے ہو اور میں تین روز سے بھوکا مر رہا ہوں۔ مرغ نے کہا۔ میں نے جھوٹ ہرگز نہیں بولا تھا۔ مگر یہ مالک کی غلطی ہے کہ وہ اپنے گھر آنے والی بلا کو دوسروں پر ڈال رہا ہے۔ اُس کے ہاں اتلافِ جان کی بلا بہرحال نازل ہونی تھی۔ پہلے روز اگر یہ اپنا بیل نہ بیچتا۔ تو بیل مرجاتا اور اُس کا گھوڑا بچ جاتا۔ لیکن اُس نے بیل بیچ دیا۔ اِس لئے یہ بلا پھر دوسرے روز گھوڑے پر نازل ہونی تھی۔ لیکن اُس نے گھوڑا بھی بیچ دیا۔ اس لئے اب مجھ سے یہ بات سن لو اور یقین کرو کہ کل ہمارا یہ مالک خود مرجائے گا۔ اس کا بچنا محال ہے۔۔ بیل کو نہ بیچتا۔ تو گھوڑا بھی بچ جاتا اور یہ خود بھی۔ اور اگر گھوڑے کو نہ بیچتا۔ تو کل یہ خود نہ مرتا یہ بلا اُس کے گھر بہرحال نازل ہونی تھی۔ مگر مالک نے غلطی کی۔ کہ یہ بلا اُس نے اپنے لئے مقرر کرلی۔ کل اُس نے ضرور مرجانا ہے۔ اُس کے مرنے پر غریبوں کے لئے بہت کچھ پکے گا۔ کل جو چاہو گے۔ کھاؤ گے۔

مُرغ کی یہ بات سُن کر اُس آدمی کے ہوش گم ہوگئے بیل اور گھوڑے کو تو وہ بیچ کر نقصان سے بچ گیا لیکن اب اپنے لئے وہ کیا کرتا، گھبرایا ہُوا اور سہما ہُوا حضرت موسٰی علیہ السّلام کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ حضور! دُعا کیجئے۔ میں موت سے بچ جاؤں۔ موسٰی علیہ السّلام نے فرمایا۔ اب یہ مشکل ہے۔ تمہارے گھر ایک موت کا وارد ہونا لکھا جا چکا تھا۔ اور یہ موت بیل پر آنی تھی۔ لیکن تم نے بیل کو کھسکا دیا۔ اب موت کو گھوڑے پر واقع ہونا تھا۔ تم نے اُسے بھی کھسکا دیا۔ اب اس کے لئے تم ہی باقی رہ گئے ہو۔ اب تمہارا بچنا محال ہے۔ یہ بات جو تمہیں اب معلوم ہوئی ہے۔ مجھے اُس کا علم پہلے ہی تھا۔ اسی واسطے میں تمہیں اپنی ضد سے باز رہنے کے لئے کہتا رہا۔ مگر تم نے نہ مانے۔ اب مرنے کے لئے تیّار رہو۔ چنانچہ دوسرے روز وہ مر گیا۔ اگر وہ اپنے پیغمبر کی بات مان لیتا۔ اور اس مہلک شوق سے باز آجاتا۔ تو یقیناً وہ بچ جاتا۔ مگر پیغمبر کی بات نہ مان کر اس نے اپنا خانہ برباد کر لیا۔

سبق

خدا تعالیٰ کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے۔ اس کی طرف سے کوئی مصیبت بھی نازل ہو۔ تو اُس میں بھی حکمت سمجھئے۔ انسان پر اگر کوئی مصیبت نازل ہو۔ یا اس کے مال پر آفت نازل ہو۔ تو اس مصیبت و آفتِ مال کو اپنی جان کا فدیہ سمجھئے۔ خدا تعالیٰ اپنے کرم سے اِنسان کی جان بچانے کے لئے اُس کے مال کا نقصان کر کے اُسے بچا لیتا ہے۔ اِسی لئے خدا فرماتا ہے۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ

یعنی تم جس بات کو اپنے لئے اچھا نہ سمجھو۔ تمہیں کیا خبر کہ وہ بات تمہارے لئے اچھی ہو۔"

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ اللہ کے رسُول کسی کام سے روکیں۔ تو رُک جانا چاہیئے۔ اور اپنی ضد پر اڑے نہ رہنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا انجام مُہلک ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ جو لوگ اپنے نقصان سے بچنے کے لئے

دوسروں کا نقصان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ لوگوں کو جو بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول کو اس کا پہلے ہی علم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ جو شخص رسُول کے علم پر ایمان رکھتا ہے۔ اور یقین رکھتا ہے۔ کہ میرے رسول کی نظر میں ہر بات کا انجام ہے۔ اور آئندہ ہونے والا ہر واقعہ اس کے علم میں ہے۔ وہ اپنی بات منوانے کے لئے ضد نہیں کرتا۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ اتباعِ رسُول ہی میں انجام کی بہتری ہے۔ اور جو رسُول کے حکم کی پرواہ نہ کر کے اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ وہ ہلاک و برباد ہو جاتا ہے ؎

چاہتے ہو تم جو اپنی بہتری
تو کرو حکمِ نبی کی پیروی

حکایت نمبر ۱۹

موسیٰ علیہ السّلام اور ایک چرواہا

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السّلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں آپ نے ایک چرواہے کو دیکھا۔ جو محبتِ الٰہی میں مگن خدا تعالےٰ سے یُوں خطاب کر رہا تھا۔ کہ اے میرے محبوب خدا! میرے پاس آکر بیٹھ مجھ سے باتیں کر۔ میں تیرے پاؤں دھو دھو کر پیوں گا، اور قدم چوموں گا، تجھے نہلاؤں گا، اچھے اچھے کپڑے پہناؤں گا، نرم و گداز بستر تیرے لئے بچھاؤں گا، دودھ پلاؤں گا، اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا اور تو سو جائے گا۔ تو تیرے پاؤں دباؤں گا۔ عشق و محبت کی مستی میں وہ اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس کی یہ باتیں سُن کر پُوچھا۔ کہ تم کس سے یہ باتیں کر رہے ہو وہ محبوب کونسا ہے؟ جس کی اسقدر زیادہ خدمت کرنیکا

تم اظہار کر رہے ہو۔ چرواہا بولا۔ کہ میرا محبوب میرا خدا ہے۔ میں اپنے خدا سے خطاب کر رہا ہوں۔ یہ ساری خدمتیں میں اسی کی کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام سُن کر فرمانے لگے۔ اے نادان! توبہ کر۔ یہ تمہاری باتیں خُدا تعالےٰ کے متعلق تو سراسر کفر ہیں۔ بے خبر! خُدا تعالےٰ تو اِن سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ یہ تم کیا بک رہے ہو توبہ کرو۔ اور ایسی باتوں سے خُدا کی پناہ مانگو۔

چرواہے نے یہ ڈانٹ ڈپٹ سُنی۔ تو ڈر گیا۔ اور سوچنے لگا کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا؟ میں نے تو یہ سب باتیں محبّت سے کی تھیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایسی باتیں خدا کی شان کے ہرگز لائق نہیں۔ یہ سوچ کر کچھ ایسا ڈرا۔ کہ وہاں سے اُٹھ کر وحشت کے عالم میں دوڑا اور جنگل میں چلا گیا۔ اور اسی ڈر سے رونے لگا۔

ادھر تو یہ جنگل کی طرف بھاگا۔ اور اُدھر جبریل امین علیہ السّلام وحی لے کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام

کے پاس آئے۔ اور کہا حضور! خدا تعالےٰ فرماتا ہے یہ آپ نے کیا کیا؟ میرا وہ طالب صادق جو اپنی میری محبت میں یہ سب باتیں کر رہا تھا۔ میں اُس کی باتیں سُن رہا تھا۔ اور میں جانتا تھا۔ کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ لیکن ان باتوں سے میرا منزہ ہونا اُس کے علم میں نہ تھا۔ یہ باتیں اُس کی زبان پر تھیں لیکن نیت اُس کی بخیر تھی۔ دل اُس کا میری محبت سے معمور تھا۔ اے موسیٰ! تم نے اس کے لفظوں کو دیکھا لیکن اس کی نیت کا کچھ خیال نہ کیا۔ میں لفظوں کو نہیں دل کو دیکھتا ہوں۔ اے موسیٰ! میں نے تجھے اس لئے مبعوث فرمایا ہے۔ کہ تم میرے بندوں کو میرے ساتھ ملاؤ۔ لیکن تم تو میرے بندوں کو مجھ سے بھگانے لگے ہو۔ جاؤ۔ اُسے جنگل سے واپس لا کر اُسے ہماری خوشنودی کا پیغام سناؤ۔

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

لیعنی ہر عمل کا انحصار نیّت پر ہے

"نیّت اچھی ہے۔ تو عمل بھی اچھا ہے۔ اور اگر نیّت اچھی نہیں۔ تو بظاہر نیک عمل بھی اچھا نہیں"

خدا تعالےٰ بڑا ہی مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی محبّت پالے۔ تو زبان کی لغزشوں کو وہ معاف فرما دیتا ہے۔ اور اگر نیّت و عقیدہ درست نہ ہو۔ تو نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ اور دیگر اعمالِ حسنہ بھی مفید نہیں۔ پہلے زمانہ کے لوگوں کے دل صحیح تھے۔ اگر بے خبری میں ان کی زبان لغزش کھا جاتی تھی۔ تو اُسے معاف فرما دیا جاتا تھا۔ مگر آجکل کے لوگوں کی زبانیں تو بڑی تیز اور فصیح و بلیغ ہیں۔ لیکن دل کج ہیں۔ زبان پر تو ہوگا۔ "آیئے آیئے تشریف لایئے" اور دل میں ہوگا۔ "دیکھیں یہ بلا کب ٹلتی ہے؟"

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ دل میں اگر محبت ہو۔ تو بے خبری کے عالم میں زبان سے اگر ممنوعہ باتیں بھی نکل جائیں۔ تو خدا تعالیٰ دلی محبت کے پیشِ نظر

اِن باتوں پر گرفت نہیں فرماتا۔ پھر اگر کوئی شخص حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے دلی محبّت رکھتے ہُوئے حضور کا نام سُن کر چوم کر انگوٹھوں کو آنکھوں پر لگا لے۔ تو ایسے محب کو نامِ پاک چومنے سے روکنا خُدا کو ہرگز پسند نہیں۔ جبکہ حضور کا نام پاک چوم لینا منع بھی نہیں۔ چرواہے کی ممنوعہ باتیں جب دلی محبت کے باعث خُدا نے ناپسند نہیں فرمائیں۔ تو حضور کے اُمتی کا نامِ پاک چُومنا غیر ممنوع ہو کر دلی محبّت کے باعث خُدا کو کیوں پسند نہ ہو گا؟

حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ہے۔ ہاں ولی و عالم موجود ہیں۔ اور اُن اللہ والوں کی تعظیم نبوی کے لئے بھی یہی ارشاد ہے کہ اے منکرین۔ یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ تمہیں تو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے اُمتیوں کو حضور کے قریب لانا چاہیئے تھا۔ مگر تم یہ کہہ کہہ کر "یا رسول اللہ" کہہ کر نہ اپنے آقا کو بلاؤ۔ اور نہ مدینہ منورہ پہنچ کر سے ... جاؤ مومنوں کو بھگا رہے ہو۔ اے

مانعین! ؎

ہم غلاموں کو نہ ہرگز ٹوکیے
آستانِ یار سے مت روکیے

حکایت نمبر ۲۰

دُعا کے لئے مُنہ

ایک دفعہ خُدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا۔ کہ اے موسیٰ! مجھ سے جب بھی دُعا مانگی جائے۔ اُس مُنہ سے مانگنی چاہیئے۔ جس سے کبھی ناجائز بات نہ نکلی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کی۔ الٰہی! ایسا مُنہ کوئی کہاں سے لائے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ اِس کے مُنہ سے کبھی نہ کبھی ناجائز بات نکل ہی جاتی ہے۔ خُدا نے فرمایا۔ اپنے لئے دوسروں کا مُنہ حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایک انسان دوسرے کے مُنہ سے کوئی گناہ کی بات نہیں کرتا۔ اس

لئے ایک کے مُنہ سے دوسرے کے لئے نکلی ہوئی دُعا میری بارگاہ میں شرفِ قبولیّت پاتی ہے۔

سبق

انسان کو مخلوقِ خدا سے ایسا اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔ کہ سب اُس کے لئے دُعا کریں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ

سب سے اچھا وہ انسان ہے۔ جو
دوسرے انسانوں کو نفع پہنچائے۔

ظاہر ہے۔ کہ ایسے انسان کے لئے سب انسان دُعا ہی کریں گے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے۔ تو پھر انسان کو اپنا ہی مُنہ پاک و صاف رکھنا چاہیئے۔ ذکرِ حق کے پانی سے اسے ہر وقت دھوتا رہے۔

مولانا رومی ہی فرماتے ہیں ؎

چوں بر آید نامِ پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نہ آں دہاں!

تو دہانِ خویشتن را پاک کن
روحِ خود را چابک و چالاک کن
گر نداری تو دمِ خوش در دُعا
رو دعا می خواہ زا خوانِ صفا

(۱) جب اللہ کا نام زبان پر آجاتا ہے۔ نہ پہلا مُنہ رہتا ہے۔ نہ کوئی پلیدی۔
(۲) تو اپنے منہ کو پاک کر۔ اپنی رُوح کو چالاک اور ہشیار کر۔
(۳) اگر تو دُعا کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ تو جا! اللہ والوں سے دُعا طلب کر!

افسوس کہ آجکل نہ ہی دوسروں سے اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ تاکہ دوسروں کے مُنہ سے دُعا نکلے اور نہ ہی اپنے منہ سے ذکرِ حق کیا جاتا ہے۔ تاکہ اپنا مُنہ ہی دُعا کے قابل بن سکے۔ بلکہ ذکرِ حق کے بجائے اس مُنہ سے یاوہ گوئی، لغویات، گالیاں بکنے اور فحش غزلیں گانے کا کام لیا جاتا ہے۔ جو گلاس دودھ پینے کے لئے ہو۔ اس میں اگر کوئی پیشاب کر دے۔

تو وہ جوتے کھائے گا۔ یونہی یہ منہ ذکر حق کے دودھ کے لئے ہے۔ اِس منہ سے گالیاں بکنا۔ اور فحش گانے گانا ایسا ہی ہے۔ جیسے دودھ کے برتن میں پیشاب کر دینا۔ پھر کیا ایسے منہ سے نکلی ہوئی دُعا قبول ہوگی؟ علاوہ ازیں آجکل کا ماڈرن مسلمان کتے کا منہ بھی چوم لیتا ہے۔ فرمایئے جو کتے کا منہ چوم لے وُہ کس منہ سے خدا سے دُعا مانگے گا۔

میں نے لکھا ہے۔ ؎

ہیں دُور انسانیت سے آجکل فیشن کے متوالے
عدُو انسان کے اور کتوں کے منہ کو چومنے والے

حکایت نمبر ۷۲

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور رُوم کا ایلچی

شاہِ روم نے اپنا ایک ایلچی امیر المومنین فاروق اعظم کے پاس بھیجا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا۔ تو مسلمانوں

سے پوچھنے لگا۔ تمہارے خلیفہ کا محل کہاں ہے؟ جو مسلمان بھی سنتا۔ ہنستا۔ اور جواب دیتا کہ ہمارے خلیفہ کا کوئی محل نہیں۔ اُس کا قلعہ صبر و شکر ہے۔ وہ اگرچہ امیر المومنین ہے۔ لیکن اُس کا گھر غریبوں کے گھر جیسا بھی نہیں۔ ایلچی بڑا حیران ہوُا۔ کہ اتنا عظیم حکمران کہ جس کا نام بھی سُن کر ہمارا بادشاہ کانپ اُٹھتا ہے۔ اتنا سادہ مزاج اور دُنیوی شان و شوکت سے بے نیاز ہے۔ اب تو اُس کا شوق اور بھی بڑھا۔ کہ مسلمانوں کے امیر کو ضرور دیکھنا چاہیئے۔ آخر ایک بڑھیا نے اُسے بتایا۔ کہ عمر فاروق کو میں نے فلاں کھجور کے درخت تلے سوتے دیکھا ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ ان سے مل سکو گے۔ چنانچہ ایلچی وہاں پہنچا۔ تو دیکھا۔ "اللہ کا شیر" کھجور کے درخت کے سایہ میں سو رہا ہے۔ ایلچی نے حضرت عمر کو سوتے ہوئے دیکھا۔ تو حضرت فاروق کا کچھ ایسا رُعب اس پر پڑا۔ کہ وہ کانپنے لگا۔ حضرت عمر حالانکہ سوئے ہوُئے تھے۔ مگر ایلچی پھر بھی کانپ رہا تھا۔ بڑا حیران ہوُا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ یہ ماجرا کیا ہے؟

میں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں گیا۔ لیکن کبھی مرعوب نہیں ہُوا۔ بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے دربار دیکھے۔ سینکڑوں جنگیں لڑیں۔ دشمنوں کے سر اُڑائے۔ بیسیوں شیر مارے۔ لیکن میں کبھی نہیں ڈرا اور آج مسلمانوں کے خلیفہ سے اسقدر ڈر لگ رہا ہے کہ میرا جوڑ جوڑ کانپ رہا ہے۔ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مرجاؤں گا۔ یہ کوئی خاص بندہ ہے۔ یہ اُس کا رُعب نہیں۔ بلکہ یہ آسمانی رعب ہے۔ اور یہ شخص گودڑی میں لعل چھپا ہے۔

سبق

امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ خُدا کے جلال کے مظہر تھے۔ باوجود ان کی سادگی کے بڑے بڑے طمطراق کے مالک بادشاہ ان کے نام سے بھی کانپتے تھے۔ اُن کا یہ رعب سوتے ہوئے بھی قائم رہتا تھا۔ کھجور کا سایہ تو برائے نام تھا۔ وہ ہر وقت خُدا کے سایہ میں تھے۔ اور بقول حضور صلے اللہ علیہ وسلم

شیطان بھی حضرت عمر کے نام سے خائف تھا۔ اور آج تک ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو اللہ سے ڈرے اللہ اُس کا ڈر مخلوق کے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔ خدا اُسے ہر ایک سے ڈرانے لگتا ہے۔ چنانچہ آج دیکھ لیجئے۔ جو اللہ سے نہیں ڈرتے۔ ہر قسم کا ڈر ان پر مسلّط ہو جاتا ہے ایسے لوگ سپاہی سے ڈرتے۔ تھانیدار سے ڈرتے۔ افسروں سے ڈرتے۔ حتیٰ کہ اپنی بیگم سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ اور بقول حاجی لق لق صورت یہ ہو جاتی ہے۔ کہ ؎

آئے ہیں دُنیا میں ہم دو کام کرنیکے لئے
کچھ خدا سے اور کچھ بیوی سے ڈرنے کیلئے

اور اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں ؎

اکبر ڈرا نہیں کبھی جرمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گیا بیگم کی فوج سے

حکایت نمبر ۲۲

پیر چنگی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک گوّیا تھا۔ جو بڑا خوش آوازہ اور اپنے فن کا اُستاد تھا۔ چنگ و رباب بجا کر گاتا تو سُننے والے مسحور ہو جاتے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑتے۔ اس کی آواز مُردوں میں جان پیدا کر دیتی تھی۔ جب تک اُسکا شباب باقی رہا۔ اُس کے گیت اور چنگ و رباب بھی مشہور و مقبول رہے۔ لیکن جب وہ بوڑھا ہو گیا۔ تو اُس کے گلے میں وہ سوز باقی نہ رہا۔ مونہہ سے دانت نکلے۔ تو خوش آوازی بھی باقی نہ رہی۔ الغرض بڑھاپے میں اُس کے کمال کو زوال آ گیا۔ اب کوئی بھی اس کا شائق نہ رہا۔ نہ کوئی اُس کے پاس آتا۔ نہ گانا سُنتا اور نہ اُسے کوئی کچھ دیتا۔ کچھ دنوں کے بعد بوڑھا گوّیا مُفلس و قلاش ہو گیا۔ کھانے پینے کے لئے بھی

اُس کے پاس کچھ نہ رہا۔ اور وہ بھوک سے مرنے لگا

ایک روز وہ اللہ کے حضور سچے دل سے حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ الٰہی! میں عمر بھر تجھ سے دُور رہا۔ ساری عمر گناہوں میں گزار دی۔ بال سفید ہو گئے۔ چہرہ سیاہ ہو گیا۔ ستر؁ برس کی عمر ہو گئی۔ اس قدر گناہوں کے بعد آج میں سچے دل سے تیرے سامنے حاضر ہو کر اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نے بڑے بڑے گناہ کیئے۔ لیکن تو ہمیشہ میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا رہا۔ میں تیری نافرمانی کرتا رہا۔ اور تو مجھے برابر رزق دیتا رہا۔ میں اپنی جان بھی تم پر قربان کر دوں۔ تو تیرے احسانات کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا یہ کہہ کر اپنی چنگ اُٹھا کر مدینہ منورّہ کے قبرستان بقیع میں چلا گیا۔ وہاں جا کر خوب رویا۔ اور روتے روتے وُہیں قبرستان میں سو گیا۔

اِدھر یہ قبرستان میں سویا۔ اُدھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ کہ آپ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ آپ نے ہر چند کوشش کی

کہ نیند نہ آئے۔ اور میں اپنا کام پورا کر سکوں۔ مگر نیند ٹلنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ آخر حضرت عمر کام کرتے کرتے سو ہی گئے۔ خواب میں آپ سے کسی نے کہا۔ کہ اُٹھو اور قبرستان بقیع میں جلدی پہنچو۔ وہاں ایک اللہ کا مقبول سو رہا ہے۔ سات سو دینار اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اُسے دے کر آؤ۔ اور اس کی دلجوئی بھی کرو۔ حضرت عمر خواب سے جاگے۔ تو فوراً سات سو دینار لے کر قبرستان پہنچے۔ اور لگے تلاش کرنے کہ وہ مقبولِ حق کہاں اور کون ہے؟ ڈھونڈنے پہ آپ کو وہی پیر چنگی نظر آیا۔ جو چنگ کا تکیہ بنا کر سو رہا تھا۔ حضرت عمر نے اُسے دیکھ کر سوچا۔ کہ یہ گویا اور مقبولِ خدا؟ لیکن اُس کے سوا یہاں اور کوئی دوسرا ہے بھی نہیں۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ یہ سوچ کر آپ وہیں اُس کے پاس باادب ہو کر بیٹھ گئے۔ اور اُسے جگانا بھی خلافِ ادب جانا۔ اتفاقاً حضرت عمر کو چھینک آ گئی۔ جس کی آواز سے پیر چنگی جاگ اُٹھا جاگ کر اُس نے جو حضرت عمر کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا۔

تو کانپ اُٹھا۔ کہ حضرت عمر کا جلال و غضب مجھ جیسے خطا کار کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت عمر بولے۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تو تمہارے لئے ایک۔ خوشخبری لیکر آیا ہوں۔ اور اللہ کا تمہاری طرف پیغام لے کر آیا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں سلام کہا ہے۔ اور یہ سات سو دینار تمہارے لئے بھیج کر پیغام بھیجا ہے۔ کہ یہ دینار لو خرچ کرو۔ جب یہ ختم ہو جائیں گے۔ تو ہم عمر کے ہاتھ اور بھیج دیں گے۔ تو ہم پر توکل رکھ۔ اور چنگ بجا اور گا۔ اور کوئی نہیں سُنتا تو نہ سنے ہم سُنیں گے

پیر چنگی نے جب یہ پیغامِ رحمت سُنا۔ تو اُسی وقت سجدے میں گر کر رونے لگا۔ اور کہنے لگا۔ الٰہی! کہاں میرے جیسا خطا کار و نابکار اور کہاں تیری یہ رحمتِ بے کنار! مجھ سے عمر بھر تیری تابعداری نہ ہو سکی۔ مگر قربان تیری بندہ پروری کے تو نے میری اسقدر دلجوئی فرمائی۔ میں نے کبھی بھول کر بھی تیرا نام نہ لیا۔ مگر تو نے اپنی رحمت ہی سے کام لیا۔ میرے ایسے افعال اور تیرا یہ کمال۔ الٰہی! میں کس مُنہ سے تیرا شکر ادا کروں؟ میرے گناہوں کے باوجود

تیرا یہ انعام۔ اے میرے غفور و رحیم اللہ! اب مجھے اس دُنیا میں رہنے کی ہوس نہیں۔ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ میں ایسے غفور و رحیم اور مہربان آقا سے اب جُدا رہنا نہیں چاہتا۔ اس نے یہ دُعا کی۔ خدا نے سن لی اور وُہ وُہیں اپنے اللہ سے جا ملا۔ بظاہر مر گیا۔ لیکن ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گیا۔

سبق

اللہ تعالےٰ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ ساری عمر اُس کی نافرمانی میں گزار دی جائے۔ لیکن ایک بار بھی اگر سچّے دل سے اس سے معافی مانگ لی جائے۔ تو وُہ ساری عمر کے گناہ مُعاف فرما دیتا ہے۔ اور بجائے عتاب کے انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ قرآنِ پاک میں خدا فرماتا ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (پ ۱۹ ع ۴)

جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور
اچھا کام کرے۔ تو ایسوں کی برائیوں
کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دیکھا آپنے اللہ کی رحمت و مغفرت کو۔ کہ گناہ کرو۔ اور توبہ کر کے گناہ کو بھی نیکی بنا لو۔ جن لوگوں کو کیمیا گری کی لت پڑ جاتی ہے۔ اس بے کار شغل میں وہ اپنی عمریں گنوا دیتے ہیں۔ لیکن ان سے پیتل کا سونا نہیں بن سکتا۔ یہ اللہ کی رحمت کی کیمیا گری دیکھئے کہ گناہوں کے انبار پر سچے دل سے توبہ کر کے ایک آنسو گرا دو۔ تو وہ سارا گناہوں کا انبار نیکیوں کا سونا بن جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ قیامت کے روز ایک شخص کو حاضر کیا جائے گا۔ فرشتے بحکم الٰہی اس کے صغیرہ گناہ ایک ایک کر کے اس کو یاد دلاتے جائیں گے وہ اقرار کرتا جائے گا۔ اور بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے ڈرتا ہو گا۔ اس کے بعد اُسے کہا جائے گا۔ کہ ہر ایک بدی کے عوض تجھ کو نیکی دی گئی۔ یہ بیان

فرماتے ہوئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی
بندہ نوازی اور اُس کی شانِ کرم پر خوشی ہوئی اور
چہرہ اقدس پر سرور و تبسّم کے آثار ظاہر ہوئے۔ (تفسیر
خزائن العرفان صفحہ ۵۱۷ آیت مذکورہ کی تفسیر فرماتے ہوئے)
خُدا تعالےٰ کے غضب و جلال کی آگ کو ساتوں سمندروں
کے پانی نہ بجھا سکیں۔ مگر گنہ گار کی ندامت کا ایک۔
آنسو بھی اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ خُدا تعالےٰ کے
سامنے جس نے بھی عجز و تواضع اختیار کر کے اپنے گناہوں
کا اعتراف کر کے سچے دل سے توبہ کر لی۔ پھر چنگی کی
طرح سمجھ لیجئے۔ اس کا بیڑا پار ہو گیا ؎

چوں خُدا خواہد بما یاری کند!
میلِ ما را جانبِ زاری کند!
چوں نہ گرید طفل کے جوشد لبن
چوں نہ گرید ابر کے خندد چمن
اے خنک چشمے کہ او گریانِ اوست
اے ہمایوں دل کہ او لرزانِ اوست!

ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود ○ ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

(۱) جب خُدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے۔ تو ہمیں رونے پر مائل کر دیتا ہے۔

(۲) جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتی کا دودھ کب جوش مارتا ہے؟ جب تک بادل نہیں روتا۔ چمن کب مسکراتا ہے؟

(۳) بہت اچھی ہے وہ آنکھ جو اللہ کے لئے رونے والی ہو بہت مُبارک ہے وہ دل جو مجروحِ یاد ہو۔

(۴) جہاں پانی بہتا رہے، سبزہ اُگتا ہے، جہاں آنسو بہتے رہیں، رحمت ہوتی ہے۔

یہ تو پُرانی بات ہے اور آجکل کے دور میں تو۔ "چنگ و رباب" کا زور ہے۔ ہر کوئی پیر چنگی نظر آتا ہے فرق یہ ہے۔ کہ وہ توبہ کرکے چنگا ہو گیا تھا۔ لیکن آجکل کے کسی چنگی کو اگر آپ توبہ کے لئے کہیں۔ تو وہ توبہ کرلے؛ توبہ کیجئے۔ پہلے دور کا پیر چنگی تو صرف چنگی تھا۔ اور آجکل کا چنگی ربابی بھی ہے۔ شرابی بھی اور کبابی بھی ہے۔ اُس کے پاس تو صرف چنگ تھی۔ اور اس کے پاس

رباب و چنگ بھی چرس و بھنگ بھی فساد و جنگ بھی یہ دین سے تنگ بھی اور دل کا سنگ بھی۔ توبہ کا معنیٰ ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنا اور آجکل اس رجوع کا نام رجعت پسندی ہے۔ پھر ان ترقی پسند اور آگے ہی آگے بڑھنے والوں کو توبہ سے کیا کام؟ رجعت پسند تو مولوی ہے۔ جو خود بھی توبہ پر مائل ہے اور دوسروں کو بھی توبہ کی تلقین کرتا ہے۔ ہماری دُعا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہمیں توبہ پر مائل کرے اور رجعت پسندی کا جذبہ عطا فرما کر پیر چنگی کے زمانے کی طرف لوٹنے کی توفیق دے۔ اور ہم سب پیر چنگی کی طرح اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر کے خُدا کو راضی کریں ؎

توبہ کر اور رُخ تو سوئے ماضی کر
پیر چنگی بن خُدا کو راضی کر

حکایت نمبر ۲۳

شامتِ اعمالِ ما درصورتِ آتش گرفت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں کِسی شہر میں آگ لگ گئی۔ مکانوں، محلوں، باغوں اور بازاروں نے خشک لکڑی کی طرح جلنا شروع کر دیا۔ شہر والوں نے لاکھ جتن کئے۔ کہ آگ پر قابُو پالیں۔ لیکن ناکام رہے۔ آگ پر پانی ڈالتے تو وہ اس طرح بھڑک اُٹھتی۔ جس طرح آگ پر پانی کی بجائے پٹرول ڈال دیا گیا ہو۔ شہر والوں کا ایک وفد گھبرا کر امیرالمؤمنین کی بارگاہ میں آیا۔ آپ نے اُن کی پریشانی کو دیکھ کر سہ

گفت ایں آتش ز آیاتِ خداست
شعلۂ از آتشِ بخلِ شماست!
آب بگذارید و ناں قسمت کنید
بخل بگذارید اگر آنِ منید!

آپ نے فرمایا۔ کہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ آتشزدگی تمہاری آتشِ بخل کا ایک شعلہ ہے۔ تم پانی ڈالنا چھوڑ دو۔ اور غریبوں میں کھانا تقسیم کرو۔ اگر میری امان چاہتے ہو۔ تو آئندہ بخل نہ کیا کرنا۔

اُنہوں نے دل کھول کر سخاوت کی تو جلد ہی آگ سرد پڑ گئی۔

سبق

آج کل دُنیا میں سرمایہ داری کے خلاف آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ بڑے بڑے ملک اور شہر اس آگ میں جلنے لگے ہیں۔ لوگ لاکھ جتن کر رہے ہیں۔ کہ یہ آگ بجھے۔ لیکن ناکام رہتے ہیں۔ اس آگ پر سوشلزم کا پانی ڈالتے ہیں۔ تو وہ اس طرح بھڑک اُٹھتی ہے۔ جیسے اس پہ امپیریلزم کا پٹرول ڈال دیا گیا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اس ہولناک آگ کی خبر پہلے ہی قرآنِ پاک میں دے دی تھی۔ فرمایا۔ "ویل ہے اس شخص کے لئے۔ جس نے

مال جوڑا - اور گن گن کر رکھا - کیا یہ سمجھتا ہے . کہ اس کا مال دُنیا میں ہمیشہ رہے گا .

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ مَا اَدْرَاكَ

مَا الْحُطَمَةُ - نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ - (پ ۳۰ ع ۲۹)

ہرگز نہیں ضرور وہ روندنے والی میں

پھینکا جائے گا . اور تو نے کیا جانا کیا

روندنے والی - اللہ کی آگ بھڑک رہی

ہے - "

اِس صورتِ حال پر قابُو پانے کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور سے جو علاج پُوچھا - تو فرمایا .

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِيُ غَضَبَ الرَّبِّ .

خُدا کے غضب کی اس آگ کو صدقہ

و خیرات کے پانی سے بُجھاؤ . (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۰)

اسلام نے زکوٰۃ - صدقات و خیرات کا جو پانی مہیا کیا ہے . موجودہ عالمگیر آگ یہی پانی بُجھا سکتا ہے .

مولانا رومی ہی نے لکھا ہے ؎

ابر نا ید از پئے منعِ زکوٰۃ
وز زنا افتد بلا اندر جہات

لوگ زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں۔ تو خُدا پانی نہیں برساتا تاکہ وہ بھوک کی آگ میں جلیں۔ اور زنا کی کثرت ہو جائے۔ تو طرح طرح کی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔ سہ۔

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ!

حکایت نمبر ۲

فضل اور عدل

امیر المومنین سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک مجرم پیش ہُوا۔ جس کے خلاف چوری کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔ آپ نے اس پر حدِّ شرعی کا نفاذ فرمایا۔ تو مجرم پکارا۔

"امیر المومنین! یہ میرا پہلا جرم تھا۔ مجھے معاف

کو دیجئے۔ آئندہ میں چوری نہیں کروں گا"۔

آپ نے فرمایا کہ تم دوسرا جُرم بھی کر رہے ہو؟ مجرم نے عرض کیا۔ حضور کون سا دوسرا جرم؟ آپ نے فرمایا۔ "جھوٹ" کیونکہ خُدا تعالےٰ مجرم کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اور یہ اُس کا "فضل" ہے۔ لیکن جب انسان گناہ کرتا چلا جائے۔ تو اُس کو پکڑ لیتا ہے۔ اور یہ اُس کا "عدل" ہے۔

سبق

خُدا تعالےٰ اپنے فضل سے بندے کے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اور اُسے موقعہ دیتا ہے کہ وہ سنبھل جائے۔ لیکن جب بندہ نہیں سمجھتا۔ تو پھر وہ پکڑا جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ سَو دن چور کے ایک دن سادھ کا۔ ؎

یہ سمجھ کے بندہ ٹل جائیگا اب
چشم پوشی بارہا کرتا ہے ربّ
باز آتا ہی نہیں جب بے حیا ○ رسوا کرتا ہے اُسے پھر برملا

دانائے روم فرماتے ہیں ؎

تو مشو مغرور از حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مرترا

خدا کے حلم سے مغرور مت ہو جانا (کیوں کہ) خُدا دیر سے تجھے پکڑتا ہے۔ تو اُس کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔

حکایت نمبر ۷۵

عید کا چاند

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ عید کا چاند دیکھنے کے لئے ایک ٹیلہ پر چڑھے سب نے ابر سے صاف سُتھرے آسمان کو بڑے غور سے دیکھا مگر چاند نظر نہ آیا۔ ایک شخص بول اُٹھا۔ جناب مجھے چاند نظر آگیا۔ لیکن ہے بہت ہی باریک۔ حضرت عمر نے پھر حکم دیا۔ کہ سب لوگ غور سے دیکھیں۔ مگر چاند پھر بھی

کسی کو نظر نہ آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص کی آنکھ کو دیکھا۔ اور فرمایا۔ میاں! ذرا اپنی آنکھ کو ہاتھ سے مَل کر پھر دیکھو۔ چاند نظر آتا ہے۔ کہ نہیں۔ اُس نے اپنی آنکھ ملی۔ پھر جو دیکھا۔ تو بولا۔ جناب! اب تو چاند نظر نہیں آیا۔ خُدا جانے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا۔ نادان! تمہارے ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہو کر تمہاری آنکھ کے اُوپر آگیا تھا۔ وُہی ٹیڑھا بال تمہیں چاند دکھائی دے رہا تھا۔

سبق

جس کی آنکھوں میں مغربی تہذیب کا بال پڑ گیا ہے۔ اُنہیں اسلامی تہذیب میں بال نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تہذیب ہی صحیح معنوں میں تہذیب اور بالکل صاف ستھری تہذیب ہے۔ مگر مغربی تہذیب کے بال کے باعث اُنہیں اس میں دھبّے نظر آتے ہیں۔ اُنہیں چاہیئے۔ کہ اپنی آنکھوں کو اسلامی ہاتھ سے ملیں اُن کی میل کچیل کو نکال کر پھر اسلام کو دیکھیں۔ تاکہ

اُنہیں پتہ چلے۔ کہ اسلامی تہذیب میں کوئی دھبّہ نہیں یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ عید کا چاند صاف آسمان پر بھی جب سینکڑوں روزہ داروں کو تو نظر نہیں آتا لیکن بعض لوگ شور مچا دیتے ہیں۔ کہ چاند نظر آ گیا۔ دراصل اُن کی آنکھوں میں کھانے پینے کی ہوس کا بال پڑا ہوتا ہے۔ جس کے باعث وہ روزہ کو وبال سمجھ کر چاند نظر آ گیا کا شور مچانے لگتے ہیں ؎

آنکھ اِس تہذیب سے میلی ہوئی
اس لئے ہے گمرہی پھیلی ہوئی

حکایت نمبر ۲۶

عثمانؓ کا ایمان

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خُطبۂ جمعہ کے لئے بالائے منبر تشریف فرما ہُوا کرتے تھے۔ آپ کے وصال مُبارک کے بعد سیّدنا صدیقِ اکبر خلیفہ بنے۔ خطبۂ جمعہ کے

لئے آپ دوسرے پائے پر بیٹھے۔ آخر تک آپ دوسرے پائے پر ہی بیٹھا کرتے تھے۔ خلیفہ اوّل کے وصال کے بعد حضرت عمر سب سے نچلے پائے پر بیٹھا کرتے تھے۔

خلیفۂ ثانی کے وصال پر حضرت عثمان مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ جمعہ کا دن آیا تو آپ بالائے منبر بیٹھ گئے۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا۔ کہ حضرت صدیق و عمر رضی اللہ عنہما بالائے منبر کبھی نہ بیٹھے تھے۔ آپ کیوں بیٹھے ہیں؟

حضرت عثمانِ غنی نے جواب دیا۔ کہ اگر میں دوسرے پائے پر بیٹھتا۔ تو صدیقِ اکبر کی ہمسری ہوتی، تیسرے پر بیٹھتا۔ تو فاروقِ اعظم کی برابری ہوتی۔ لیکن میں بالائے منبر بیٹھا ہوں۔ اس لئے کہ دُنیا جانتی ہے۔ کہ سرورِ کائنات میرے آقا ہیں، میں اُن کا غلام ہوں۔ یہاں تو ہمسری اور برابری کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔

سبق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان افروز واقعہ

اہلِ ایمان کے لیئے ایک مشعلِ راہ ہے۔ منبر کے اُوپر کے پائے پر بیٹھ کر آپ نے بتایا۔ کہ حضور بھی اگرچہ اِسی پائے پر بیٹھتے تھے۔ اور میں بھی اسی پائے پر بیٹھا ہوں۔ باوجود اس کے میں اور حضور ایک ہی پائے پر بیٹھے۔ یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ کہ کوئی مجھے اُن جیسا۔ سمجھ لے۔ اہلِ ایمان کے دلوں میں اس سے ہمسری و برابری کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ کفار کی بے عقلی تھی۔ کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کھانا تناول فرماتے۔ پانی نوش فرماتے دیکھ کر ان سے برابری و ہمسری کا دم بھرنے لگے۔ کہ کھانا ہم بھی کھاتے ہیں۔ اور حضور بھی کھاتے ہیں۔ پانی ہم بھی پیتے ہیں۔ وہ بھی پیتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہماری ہی مثل ایک بشر ہیں۔ مسلمانوں کو حضرت عثمان کا ایمان پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اپنا ایمان یہی رکھنا چاہیئے۔ کہ حضور ساری کائنات کے آقا ہیں۔ اور ہم سب ان کے غلام۔ لہٰذا یہاں ہمسری و برابری کا شائبہ تک بھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے لکھا ہے۔ یا رسول اللہ ؎

بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں جو
تجھے اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں

حکایت نمبر ۲۷

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ عالمِ شباب میں زرہ بکتر پہن کر میدانِ جنگ میں اُترا کرتے تھے۔ لیکن بڑھاپے میں آپ زرہ بکتر کے بغیر ہی میدانِ جنگ میں کود پڑتے تھے۔ آپ کے بازو برہنہ اور سینہ عُریاں ہُوا کرتا تھا۔ وہ مردانہ وار دشمنوں کی صف میں گھس کر قیامت برپا کر دیا کرتے تھے۔ آپ کے دوستوں نے ایک دن کہا۔ کہ جب آپ جوان تھے اُس وقت تو اپنا دفاع ہتھیاروں سے کیا کرتے تھے۔ اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ لیکن ہتھیاروں سے بے نیاز ہو کر بے دریغ دشمن کی صفوں میں چلے

جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ بڑھاپے میں آپ کو اپنا دفاع زیادہ موثر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔

اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں
نہ ڈالو۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جواب دیا کہ جب میں نوجوان تھا اور حلقہ بگوشِ اسلام نہ تھا اس وقت مرنا میرے لیئے موت تھا۔ اور مجھے زندگی سے پیار تھا۔ لیکن اب اگرچہ میں بوڑھا ہوں۔ لیکن محمد عربی کا فیضان ہے۔ مجھے موت کا قطعاً خوف نہیں۔ میں تو زندگی کو موت اور موت کو زندگی سمجھتا ہوں۔ شہادت کی موت حیاتِ ابدی ہے۔ رہی بات خدا کے حکم کی کہ لا تلقوا بایدکم الی التھلکہ تو یہ ان لوگوں کے لیئے ہے۔ جن کی نظر میں موت ایک قیامت ہے۔ میری نظر تو خدا کے اس حکم پر ہے۔ کہ

سَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ

یعنی رب کی مغفرت کی طرف دوڑو۔

۵ آں کہ مُردن پیشِ چشمش تہلکہ است
امرِ لَاتُلقُوا بگیرد او بدست!
آں کہ مردن پیشِ او شد فتحِ باب
سارِعُوا آید مراو را در خطاب
ہر کہ یوسف دید جاں کردش فدا
ہر کہ گرگش دید برگشت از ہُدیٰ
پیشِ ترک آئینہ را خوش رنگی است
پیشِ زنگی آئینہ ہم زنگی است!

(۱) جس شخص کی نظر میں مرنا ایک قیامت ہے وہ تو لا تلقوا والی آیت کو اختیار کرتا ہے
(۲) جس کی نظر میں "موت" در جنت کو کھولنے کی چابی ہے۔ اس کے لئے حکم ہے کہ سارعوا الی مغفرۃ من ربکم۔ اللہ کی مغفرت کی جانب دوڑو۔
(۳) جس نے یوسف کو دیکھ لیا۔ اس پر جان فدا کر دی۔ جس نے بھیڑیئے کو دیکھا۔ وہ راہِ ہدایت سے بھاگ اٹھا۔

(۴) آئینہ ترکی کے لئے تو حسین ہے۔ لیکن حبشی کے لئے سیاہ ہے۔ (اسی طرح موت۔ کافر کی معتوب ہے۔ اور مومن کی مطلوب)

سبق

سچے مومن کا جذبہ جہاد ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے کوئی ہتھیار نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ کافر اگر لڑتا ہے۔ تو محض دُنیا کے لئے۔ اور مسلمان کا جہاد محض اعلاء کلمتہ الحق کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس کے پیشِ نظر دُنیوی سلطنت نہیں۔ بلکہ جنّت ہوتی ہے۔ اور وہ اس جذبہ کے ساتھ لڑتا ہے۔ کہ مارے گئے۔ تو شہید اور کافر کو مار ڈالا۔ تو غازی۔ ہر طرح ثواب ہی ثواب ہے۔ اقبال نے خوب لکھا ہے۔ کہ ؏

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حکایت نمبر ۲۸

حضرت انس کا دسترخوان

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ کے گھر کچھ مہمان آئے۔ ان کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ دستر خوان بچھانے کو لایا گیا۔ تو حضرت انس نے دیکھا۔ کہ دستر خوان بہت میلا ہو چکا ہے۔ خادمہ سے کہا۔ کہ دسترخوان کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دو۔ خادمہ نے دستر خوان اٹھایا اور جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خادمہ نے اس دستر خوان کو تنور سے نکالا۔ تو مہمانوں نے دیکھا۔ کہ بجائے جل جانے کے وہ دُودھ کی مانند سفید اور صاف ہو چکا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دھو کر اُس کی ساری میل نکال دی گئی ہو۔ اس بات سے مہمان بڑے حیران ہوئے۔ اور حضرت انس سے اس کی وجہ پوچھی۔ تو اُنہوں نے فرمایا۔ ایک مرتبہ حضور۔ صلے اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تھے۔ اور کھانا

تناول فرمانے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ اس دستر خوان سے صاف فرمائے تھے۔ پس یہ حضور کے ہاتھوں کی برکت ہے۔ کہ اب اس دستر خوان پر آگ اثر نہیں کرتی۔ جب بھی یہ میلا ہوتا ہے۔ میں اسے آگ ہی میں صاف کر لیتا ہوں۔

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک جس کپڑے کو لگ گئے۔ وہ کپڑا آگ میں نہ جلا۔ تو جن صحابہ کرام نے بیعت رضوان کرتے وقت اپنے ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اور جن خوش قسمت اصحاب نے حضور سے مصافحے کیئے۔ وہ پاک لوگ جہنم کی آگ سے کیوں محفوظ نہ ہوں گے؟ ہاں اس آگ میں وہی جلیں گے۔ جو صحابہ کرام کے نام سے جلتے ہیں۔ شب ہجرت حضور صلے اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے کندھوں پر سوار ہوئے۔ پھر حضور کا جسم انور جس جسم سے لمس فرما لے۔ اُس جسم پاک کی نجات میں کوئی ناری ہی شک کر سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم

ہُوا۔ کہ ایک کپڑے سے لمحہ بھر کے لئے حضور کے ہاتھ لگ جانے سے وہ کپڑا آگ سے محفوظ رہا۔ تو جس خوش بخت والدہ کے شکمِ انور میں حضور نو ماہ رہے ہوں۔ اس والدہ کی برکات و نجات میں شک کرنا۔ کیوں گمراہی نہ ہوگی؟ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ہاتھ جس مسلمان کے دل سے لگ گیا۔ وہ صاحبِ دل جہنم کی آگ سے بچ گیا ؎

فردوس میں رسُول ہمارا نہ جائیگا
جب تک ہر ایک اُمتی بخشا نہ جائیگا
اللہ جانتا ہے غلامِ نبی ہوں میں!
دوزخ میں مَیں تو کیا میرا سایہ نہ جائیگا

چنانچہ۔ دانائے روم یہی فرماتے ہیں۔ کہ ؎

اے دِلِ ترسندہ از نارِ عذاب
با چنیں دست و لبے کن اقتراب
چوں جمادے را چنیں تشریف داد
جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

اے عذابِ جہنم سے گھبرانے والے! ایسے مقدس۔

ہاتھ اور مبارک ہونٹوں کے قریب ہو جا۔ جب انہوں نے بے جان دسترخوان کو یہ شرف بخشا (کہ وہ آگ میں نہ جلتا تھا) تو جانِ عاشق کیا کیا نہ پائے گی؟

حکایت نمبر ۲۹

حلوہ میں زہر

ایک روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ صبح کی نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ کسی نے آپ کو جھنجھوڑا۔ اور جگا کر کہا۔ اُٹھیئے جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لیجئے۔ امیر معاویہ جاگے۔ لیکن جگانے والا نظر نہ آیا۔ فرمایا مجھے جگانے والا کون ہے؟ آواز آئی۔ آپ یہ نہ پوچھیئے۔ جلدی کیجئے۔ مسجد میں جائیے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھیئے۔ فرمایا۔ پہلے تم یہ بتاؤ تم کون ہو؟ آواز آئی۔ میں شیطان ہوں۔ آپ نے حیران ہو کر پوچھا۔ شیطان ہو کر نماز کے لئے جگانا؟ تمہارا کام تو نماز سے روکنا ہے۔ لیکن مجھے جو تم نماز

باجماعت ادا کرنے کی تبلیغ کر رہے ہو۔ اس میں ضرور کوئی تمہارا اپنا مقصد پنہاں ہے۔ اور تم مجھے حلوہ میں زہر دینا چاہتے ہو۔ بتاؤ اس میں تمہارا کیا مقصد ہے۔ شیطان نے کہا۔ جناب پہلے آپ نماز پڑھ آیئے۔ پھر بتاؤں گا۔ فرمایا ابھی بتاؤ۔ شیطان بولا۔ تو سنیئے بات در اصل یہ ہے۔ کہ میں خدا کی رحمت کو خوب جانتا ہوں۔ اس کا دریائے رحمت معمولی رونے سے بھی۔ جوش میں آجاتا ہے۔ میں نے دیکھا۔ کہ جماعت کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ اگر آپ نماز باجماعت ادا کرنے سے رہ گئے۔ تو آپ کی نگاہوں میں دُنیا تاریک ہو جائیگی اور آپ جماعت کے رہ جانے کے صدمہ سے رو رو کر نڈھال ہو جائیں گے۔ تو آپ کی یہ آہ و زاری۔ دل کا سوز۔ اور جماعت رہ جانے کا افسوس سو نمازوں کے ثواب سے بھی بڑھ جائے گا۔ مجھے گوارا نہ ہُوا۔ کہ آپ اس قدر ثواب حاصل کریں۔ آپ کو جگانے کا باعث بھی میرا جذبۂ حسد ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا۔ ملعون! واقعی تونے سچّی

بات بتا دی ہے۔ بظاہر تو نماز کی تبلیغ کر رہا تھا۔ لیکن در اصل تو نہیں چاہتا تھا۔ کہ میں خلوص اور درد کے ساتھ اللہ کے حضور گڑگڑاؤں۔ اور اپنی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہا کر اس سے بے حد ثواب حاصل کروں

سبق

شیطان بڑا عیّار ہے۔ عجیب و غریب چالوں سے مسلمانوں کو بہکاتا ہے۔ بعض اوقات مبلغ بن کر تبلیغ بھی کرنے لگتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ میں تو نماز درست کرانے اور کلمہ پڑھانے آیا ہوں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے سامنے "تبلیغی" بن کر آگیا۔ اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تبلیغ کرنے لگا۔ بظاہر بات تو بڑی اچھی تھی۔ مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے۔ کہ یہ ہمارا ازلی دشمن مسلمان کی خیر خواہی کی بات کرے؟ یقیناً اس میں لعین کا ضرور کوئی اپنا مقصد پنہاں ہے۔ چنانچہ اُس لعین کو وہ زہر بتانا پڑا۔ جو حلوے میں ملا کر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو کھلاتا۔

چاہتا تھا۔ معلوم ہُوا۔ کہ جو بھی قرآن پڑھتا۔ حدیث سُناتا اور تبلیغ کرتا نظر آئے۔ ضروری نہیں۔ کہ وہ سچا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے۔ وہ شیطان ہو۔ اور اس رنگ میں آپ کو بہکانا چاہتا ہو۔ کہ قرآن و حدیث کے حلوہ میں اپنی بدعقیدگی کا زہر آپ کو کھلا دینا چاہتا ہو مولانا رومی کا ایک شعر میری تضمین کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے ؎

ہیں بظاہر پارسا و حق پرست
اور بباطن بغضِ احمد میں ہیں مست
دشمنِ احمد کی صورت پر نہ بھول
"اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس نہ باید داد در ہر دست دست"

یعنی بہت سے شیطان بھی انسان بن کر پھر رہے ہیں۔ اس لئے ہوش سے رہنا ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دینا۔ اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں۔ کہ بدعقیدہ کے مُنہ سے قرآن بھی نہ سنو۔ اور ان سے بچو۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ شیطان جس طرح دیگر صحابہ کرام مثلاً

صدیق اکبر۔ فاروق اعظم۔ عثمان غنی اور مولا علی رضی اللہ عنہم کا دشمن ہے۔ اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کا بھی دشمن ہے۔ حضرت امیر معاویہ کا تو وہ بالخصوص دشمن ہے۔ اس لیے کہ شیطان جس کوشش سے اپنا کام کرنے آیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے اُسکی ساری کوشش پر پانی پھیر دیا۔

حکایت نمبر ۳۰
بلال کا استقلال

اُمیّہ بن خلف نے حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ کو ستے داموں خریدا۔ اُمیّہ آپ سے دن بھر بیگار لیا کرتا تھا ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ نے سرکارِ ابد قرار کی زیارت کی تو اُنہی کے ہو کر رہ گئے۔ جسم کافر کا غلام تھا۔ لیکن روحِ بلال زلفِ مصطفٰے کی اسیر ہو گئی۔ وہ تمام دن اپنے مالک کا کام کرتے رہتے۔ لیکن دلِ یاد

مصطفےؐ کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ " دست بکار دِل بہ یار"

ایک دن جوشِ محبت میں حضرت بلالؓ 'احد احد اور محمد محمد' کے نعرے لگانے لگے۔ اُمیہ نے سُنا تو آپ کو مارنے لگا۔

کہ چرا تو یاد احمد مے کنی!
بندۂ بد منکرِ دینِ منی!
می زد اندر آفتابش او بہ خار
او احد میگفت بہرِ افتخار

اور بولا کہ تو محمد کو کیوں پکار رہا ہے؟ اے بُرے غلام تو میرے دین کا منکر ہے؟ مالک سخت دھوپ میں آپ کو کانٹوں کے ساتھ مارنے لگا۔ لیکن حضرت بلال بڑے افتخار کے ساتھ احد احد پکارنے لگے۔ اسی دوران میں حضرت صدیق اکبر بھی تشریف لے آئے۔ آپ بلال کا حال دیکھ کر سخت مضطرب ہوئے دوسرے دن بھی حضرت صدیق اکبر نے یہی منظر دیکھا تو آپ نے بلال کو علیحدگی میں مشورہ دیا کہ تمہارا مالک کافر ہے۔ اُس کے سامنے محمد عربی کا نام نہ لیا کرو۔

اپنے محبوب کو دل ہی دل میں یاد کر لیا کرو۔ حضرت بلال نے جواب دیا:

"نہیں صدیق! یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ میرا عشق، مصلحت اندیش نہیں ہے۔ نہ ہی بات امیہ کے ظلم وستم کی۔ اس کی مجھے قطعاً پروا نہیں ہے۔ وہ مجھے شہید بھی کر ڈالے۔ تو میرا ہر بُنِ مو یار کا نام پکارے گا۔" ؎

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت کا کچھ مزہ ہی نہیں

سبق

اِسلام کا سچا عاشق کبھی مصلحت اندیش نہیں ہوتا۔ وہ سچی بات کا برملا اعلان کرتا ہے۔ آجکل بعض لوگ علماءِ کرام کو یہی مشورہ دیتے ہیں۔ کہ زمانے کا تقاضا دیکھئے۔ سود کے بغیر کاروبار نہیں چلتے۔ وضع نصاریٰ اختیار کئے بغیر کوئی ہماری بات نہیں سنتا۔ اس لئے اسلام دل میں رہے۔ اسلامی احکام کے وعظ و اعلان کی کیا

ضرورت ہے؟ علماءِ کرام کا بھی جواب وُہی ہے۔ جو حضرت بلال کا تھا۔ اور وہ کلمہ حق کہنے سے کبھی رُک نہیں سکتے۔ وہ حلال ہی کو حلال اور حرام کو حرام ہی کہیں گے۔ اور برملا کہیں گے۔ اور وُہی کچھ کہیں گے۔ جو اسلام نے فرمایا ہے ؎

بُرے کو ہم بُرا کہنے سے ہرگز رہ نہیں سکتے
جو اچھی بات ہو اس کو بُرا ہم کہہ نہیں سکتے

حکایت نمبر ۱۳۱

بلال کے خریدار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت بلال کا حال سنایا اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! آپ کی محبت کے جُرم میں بلال ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ اُمیہ اُنھیں تپتی ہُوئی ریت پر لٹاتا ہے، کانٹوں کے ساتھ

مارتا ہے۔ اُن کا جسم زخموں سے چور ہو جاتا ہے لیکن وہ آپ کا نام لینا نہیں چھوڑتے۔ حضور! یہ ظلم مجھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟ حضور نے فرمایا۔ صدّیق اکبر نے عرض کیا۔

"میں اُنہیں خرید لیتا ہوں۔ اُمیّہ جتنی رقم طلب کرے گا۔ میں ادا کر دوں گا"

حضور علیہ السّلام یہ سُن کر مسرور ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جاؤ! بلال کو خرید لاؤ۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ آدھی رقم تم ادا کرنا اور آدھی رقم میں ادا۔ کروں گا ———

حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کافر کے مکان پر گئے۔ آپ نے دستک دی۔ اُمیّہ باہر آیا۔ حضرت صدّیق اکبر نے اُمیّہ سے کہا۔ کہ تو بلال کو ناحق کیوں مارتا ہے؟ اُمیّہ نے کہا۔ اگر تم بلال پر اتنے مہربان ہو تو اُسے خرید کیوں نہیں لیتے؟ حضرت صدّیق اکبر نے فرمایا۔ کہ میں تیار ہوں۔ میرا ایک غلام ہے جو یہودی ہے۔

بہت حسین ہے۔ تم اُسے لے لو۔ اور بلال مجھے دے دو۔ آپ نے سفید فام غلام کو منگوایا۔ تو اُمیہ اُسے دیکھ کر فریفتہ ہو گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ صدیق، بلال میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں، کہنے لگا۔ کہ غلام کے بدلے غلام کا سودا اسی صورت میں ہو گا۔ کہ تم مجھے کچھ رقم بھی ساتھ دو۔ حضرت صدیق نے مطلوبہ رقم اور اپنا غلام دے کر بلال کو لے لیا۔ اُمیہ خوش تھا۔ کہ اُس نے کالے بلال کے عوض نہ صرف کثیر رقم لی ہے۔ بلکہ گورا غلام بھی لیا ہے۔ اس کی نظر میں یہ تجارت بڑی منفعت بخش تھی۔

اُدھر صدیق اکبر بھی بہت مسرور تھے۔ کہ میں نے پتھر کے بدلے موتی لے لیا ہے۔

بلال کو لے کر حضرت صدیق واپس آنے لگے۔ تو اُمیہ ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ کہ تم نے بلال کی قیمت خود بڑھائی ہے۔ اگر تمہارے شوق کو نہ دیکھتا تو میں اُسے چند درموں کے بدلے بیچ ڈالتا۔ حضرت صدیق نے فرمایا ظالم! تمہاری نظر میں بلال کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟

تمہاری نظر بلال کے رنگ پر تھی۔ میری نظر اس کی روح پر ہے۔ میں نے تو یہاں تک ارادہ کر رکھا تھا کہ تو لاکھوں درہم بھی کیوں نہ مانگ لے۔ میں بلال کو ضرور خرید وں گا۔ ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے محبوب! تو نے کہا ہے کہ دونوں جہاں میری قیمت ہیں۔ اپنی قیمت بڑھا۔ کیوں کہ ابھی تک تو سستا بک رہا ہے۔

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بڑی بے تابی کے ساتھ صدیق و بلال کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ کی نگاہیں بار بار اٹھتی تھیں۔ سبحان اللہ! حسنِ مصطفےٰ، عشقِ بلال کا منتظر تھا۔ اتنے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہٗ بلال کو لے کر بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہو گئے اگلا منظر مولانا روم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے! ؎

چوں بدید آں روئے خستہ، مصطفےٰ
گفت طبتمُ فادخلوها یا بھا!

چُوں بلال ایں را شنید از مُصطفےٰؐ
خُرّمَ مَغشیاً فتاد او بر قفا!
تا بدیرے بے خود و بے ہوش ماند
چوں بہوش آمد، زشادی اشک راند
مصطفےٰؐ اش در کنارِ خود کشید!
کس چہ داند بخششے کورا رسید!
ماہئ پژمردہ در بحر اوفتاد
کاروانِ گم شدہ از بر رشاد!

یعنی جب خستہ حال بلال نے رُخِ مصطفےٰؐ پر نظر ڈالی تو سرکارِ دو جہاں نے فرمایا "تمہیں مُبارک ہو جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت بلال یہ سُن کر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ کافی دیر تک بے ہوش اور بیخود پڑے رہے۔ آپ کو ہوش آتا تو مسرت کے آنسو بہانے لگتے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلال کو آغوش میں لے لیا۔ کوئی کیا جانے کہ اِس وقت حضور نے بلال پر کیا نوازشیں کر دیں۔ بالآخر ماہئ بے آب، سمندر میں آ گئی۔ اور کاروان گم گشتہ کو منزل مل گئی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا۔ کہ میں نے تو کہا تھا۔ کہ آدھی رقم میں ادا کروں گا۔ اور آپ اکیلے ہی بلال کو خرید کر لے آئے ہیں؟ آخر کیوں؟ حضرتِ صدیق کا جواب دانائے روم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے ؎

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو
کردمش آزاد من بر روئے تو
تو مرا میدار بندہ و یارِ غار
ہیچ آزادی نخواہم زینہار
کہ مرا از بندگی آزادی است
بے تو بر من محنت و بیدادی است

چوں ترا دیدم تو اے روح البلاد ؎ مہر ایں خورشید از چشمم فتاد!

عرض کیا۔ کہ ہم دونوں آپ کے بندے ہیں۔ میں آپ کے سامنے بلال کو آزاد کرتا ہوں۔ آپ مجھے اپنا بندہ اور رفیقِ خاص رکھیئے۔ مجھے آزادی سے کیا سروکار؟ کیونکہ آپ کی بندگی میں ہی میری آزادی ہے۔ آپ کے بغیر، مجھ پر ظلم اور دشواری ہے۔ اے جانِ عالم!

جب میں نے آپ کو دیکھا تو میری نظر سے سورج کا وقار گر گیا۔

سبق

اللہ والوں پر ظلم و ستم کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ شروع ہی سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ آج علماء کرام کو لعن و طعن کی گرم ریت پر لٹایا جاتا ہے۔ اور مغربی تہذیب کی خاردار زبان سے انہیں مجروح کیا جاتا ہے۔ لیکن علماءِ کرام کلمۂ حق کہنا نہیں چھوڑتے۔ علمائے کرام کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بنانا یہ سنتِ اُمیہ ہے جو علماء کرام کے دشمنوں کے حصہ میں آئی ہے۔ اور دشمنوں کے جور و ستم کا نشانہ بننا۔ اور اپنے مسلک حق پر ڈٹے رہنا۔ یہ سنتِ بلال ہے۔ جو علماء کرام کے حصہ میں آئی ہے۔ اور علماءِ کرام کی اس تحقیر پہ جو سچے مسلمان کڑھتے ہیں۔ یہ سنتِ صدیقی ہے۔ جو ان سچے مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ کسی مسلمان بھائی پر کوئی مصیبت آپڑے۔ تو سچے مسلمان

اپنے بھائی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ علماءِ کرام اپنے دینِ اسلام کو مغربی تہذیب کی قید میں دیکھ کر بڑے پریشان و فکر مند ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ کسی صورت ہمارا اسلام اس قید سے آزاد ہو جائے۔ چنانچہ یورپ سے وہ یہی کہتے ہیں۔ کہ اپنا میک اَپ زدہ حُسن تم لے لو۔ اور ہمارا پُرانا اسلام ہمیں دے دو۔ یورپ نے علماء کرام کا یہ شوق دیکھ کر قیمت بڑھا دی۔ اور کہا۔ کہ ہمارا میک اَپ زدہ حُسن بھی دو۔ اور اُس کے علاوہ ہمارے تیار کردہ ماڈرن مُفسّر قرآن۔ منکرینِ حدیث۔ اور منکرینِ ختمِ نبوّت بھی ساتھ دو۔ علماء کرام نے قبول کر لیا۔ اور کہا یہ لو اپنا میک اَپ زدہ حُسن بھی۔ اور تمہارے پیدا کردہ ماڈرن مفسّر اور حدیث و ختمِ نبوّت کے منکر بھی سنبھالو۔ یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ اپنی چیز لو۔ ہماری چیز ہمیں دے دو۔ یورپ بڑا خوش ہُوا کہ ہمارا پیدا کردہ مصنوعی حُسن بھی مل گیا۔ اور ماڈرن مسلمان بھی مل گئے۔ علماءِ کرام بھی خوش ہو گئے۔ کہ

ہم نے الحاد دے کر اپنا اسلام واپس لے لیا۔ اپنا دین پاکر علماءِ کرام کی خوشی دیکھ کر یورپ ہنس پڑا۔ کہ تم نے اپنے دین کی قیمت خود بڑھائی ہے۔ ورنہ یہ تمہارا دین میرے لئے تو ایک مصیبت تھا۔ علماء نے جواب دیا ظالم! تمہاری نظر میں اسلام کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ تمہاری نظر اسلام کے نام پر تھی۔ اور ہماری نظر۔ اس کے پاکیزہ نظام کی طرف۔ ہمارا ارادہ تو یہ تھا۔ کہ اگر اس کے حصول کے لئے ہمیں جانیں بھی دینی پڑتیں۔ تو ہم ضرور دیتے۔ اور اپنا اسلام واپس لے کر دم لیتے حضور صلے اللہ علیہ و سلم علماءِ کرام کی اس کوشش سے خوش ہو گئے۔ اور علماءِ کرام پر ان کی کوششوں کے باعث صدہا نوازشیں فرمائیں۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ محبِّ صادق بلال نے اپنے محبوب کو دیکھا۔ تو محبوب نے اپنے سچے محب کو جنت کی بشارت دے دی۔ اور وہ اس خوشی میں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور آجکل کے بعض مسلمان ایسے بھی ہیں۔ جو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے روضہ منورہ کی زیارت کی نیت سے وہاں جانا ہی نہیں چاہتے۔

اور اگر بالفرض اس نیت سے چلے بھی جائیں۔ تو صدمے کے باعث بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اور ایسا گرتے ہیں۔ کہ پھر "قیام" ہی نہیں کرتے۔ حضرت بلال کی آنکھ تو خوشی کے مارے آنسوؤں کا پانی بہانے لگتی۔ اور ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک کر انہیں جلانے لگتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے آپ کو اور حضرت بلال کو حضور کے بندے کہا۔ لہٰذا ہم سب حضور کے بندے ہیں۔ بندہ کا حقیقی معنی ہے بندگی کرنے والا۔ اس معنی میں تو ہم اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن مجازی معنی میں بندہ بمعنی غلام ہے اس مجازی معنی میں ہم سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بندے ہیں۔ چنانچہ خُدا خود فرماتا ہے۔

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ۔ (پ۱۸ ع ۱۰)

"بے نکاحوں کا نکاح کر دو۔ جو تمہارے لائق بندے اور کنیزیں ہیں۔"

دیکھ لیجئے۔ خُدا نے اپنے بندوں سے فرمایا۔ کہ جو۔۔

تمہارے لائق بندے ہیں۔ اُن کا نکاح کر دو۔ تو جب ہم اللہ کے بندوں کے بندے ہو سکتے ہیں۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم بندے کیوں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا۔ عبد النبی۔ عبد الرسول اور عبد المصطفٰے نام رکھنا جائز ہے۔

دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض
ہم ہیں عبد المصطفٰے پھر تجھ کو کیا

حکایت نمبر ۳۲

اذانِ بلال

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ موذن تھے۔ آپ اذان کے بعض الفاظ کو صحیح معنوں میں ادا نہ کر سکتے تھے۔ بالخصوص لفظ "حَیّ" کو "ہی" کہا کرتے تھے۔ اس پر بعض اصحاب نے عرض کی۔

یا رسول اللہ! بلال صحت الفاظ کے ساتھ اذان نہیں کہہ سکتے۔ اس لیئے کسی خوش گلو موذن کا انتخاب فرمائیے! تاکہ غیر مسلم اذان کو سُن کر متاثر ہُوا کریں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم یہ سُن کر غصہ میں آ گئے۔ اور فرمایا ؎

کاے خساں نزدِ خدا "ہیٌ" بلال!
بہتر از صد "حیٌ" و "حیٌ" بے قیل و قال

کہ خُدا کی بارگاہ میں حضرت بلال کا لفظ "ہیٌ" بلاشبہ سینکڑوں حیٌ وحیٌ سے بہتر ہے۔ کیوں کہ بلال میرا محبوب ہے۔ اور محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔

سبق

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اتنی بڑی شان ہے کہ محبوبِ خُدا صلے اللہ علیہ و سلم اُنہیں اپنا محبوب فرما رہے ہیں۔ مولانا حسن علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے!
اُس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بات سمجھا رہے ہیں۔ کہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے تو اگر میں تمہارا محبوب ہوں۔ تو تمہیں بھی میری ہر ادا محبوب ہونی چاہیئے۔ یہ بات تو بڑی غلط ہے۔ کہ دعویٰ میری محبت کا ہو۔ اور ادائیں تمہاری میرے دشمنوں کی ہوں۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ صحتِ لفظی سے پہلے صحت قلبی کا ہونا ضروری ہے۔ دل میں محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ تو زبان کی لغزش بھی حضور پسند فرما لیتے ہیں۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ کا ایک مرید میرے پاس آیا۔ اور بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ مجھ سے ملا۔ باتوں ہی باتوں میں مجھ سے کہنے لگا۔ میں بڑی محبت کے ساتھ آپ کے پاس "تشریف لایا ہوں"۔ میری تمنا ہے۔ کہ آپ بھی کبھی ہمارے گاؤں "حاضر ہوں"۔ مجھے اس کی اس بات میں بھی مزہ ہی آیا۔ اور میں نے کہا۔ اِنشاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا۔ یہ اس کی زبان کی لغزش تھی لیکن دل اُس کا محبت سے معمور تھا۔ اور اگر دل میں حضور کی محبت نہ ہو۔ تو زبان ہزار بار اللہ اللہ کرے۔

صحت لفظی کے ساتھ قرآن پڑھے۔ درس دے۔ اور قَالَ قَالَ کی رٹ لگائے۔ ایسی کوئی عبادت بھی قبول نہ ہو گی۔ کیونکہ ایمان کا پہلا تعلق دل سے ہے۔ اور دل ہی اگر حضورؐ کی محبت سے خالی ہوا۔ تو زبان کے اللہ اللہ کرنے کا کیا فائدہ؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ کا اگرچہ ظاہری رنگ کالا تھا۔ مگر دل میں اجالا ہی اجالا تھا۔ اور آج زبان پر تو قَالَ قَالَ ہے۔ مگر دل دیکھو تو کالا ہے۔ ؎

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے جو منکر تو مرے دل سے

حکایت نمبر ۳۳

بلال کا وصال

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بسترِ علالت پر لیٹے ہوئے تھے۔ چہرہ پر ضعف کے آثار اس بات پر

شاہد تھے کہ آفتابِ عشق غروب ہونے والا ہے۔ آپ کے پاس آپ کی زوجہ، محترمہ بھی تشریف رکھتی تھیں۔ اپنے شوہر کو اس حالت میں دیکھ کر وہ بے قرار ہوگئیں آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ آخری لمحات میں حضرت بلال اور ان کی زوجہ کے مابین جو گفتگو ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

زوجہ :- جفتِ او دیدش بگفتا وا حَرَبْ

حضرت بلال کی بیوی نے آپ کو دیکھ کر کہا۔

"ہائے افسوس"

بلال :- پس بلالش گفت نے نے وا طَرَبْ

حضرت بلال نے فرمایا نہیں نہیں !

"صد مسرت"

تاکنوں اندر حرب بودم ز زیست!

تو چہ دانی مرگ چہ عیش است و چیست

تاب رُو و چشمِ پر انوارِ او!

می گواہی داد بر گفتارِ او!

میں تو اپنی زندگی کے باعث سخت الجھن میں

مبتلا تھا۔ تجھے کیا معلوم کہ موت کیا چیز ہے؟
اور موت میں کیا عیش ہے؟ آپ کے چہرہ
کی تاب اور آنکھوں کی چمک، آپ کی گفتگو پر
گواہی دے رہی تھی۔

زوجہ :۔ گفت جفتش الفراق اے خوش خصال
آپ کی بیوی نے کہا :۔ اے خوش خصلت!
"الفراق"

بلال :۔ گفت نے نے الوصال الوصال!
آپ نے فرمایا نہیں نہیں جدائی نہیں!
"وصل"

زوجہ :۔ گفت جفت امشب غریبے می روی!
از تبار و خویش غائب می شوی
آپ آج کی رات مسافر بن کر جا رہے ہیں۔ آپ
اپنوں سے دور غائب ہو رہے ہیں۔

بلال :۔ گفت نے نے بلکہ امشب جانِ من!
می رسد خوش از غریبی در وطن!
نہیں نہیں! جان من! بلکہ آج کی رات مسافر

مسرور ہو کر اپنے وطن کی جانب روانہ ہو رہا ہے۔

زوجہ:- گفت آں روئت کجا بینیم ما؟
یہ صورت اب ہم کہاں دیکھیں گے؟

بلال:- گفت اندر خلوتِ خاصِ خدا
خدا کی خلوت خاص میں۔

زوجہ:- گفت ویراں گشت ایں خانہ دریغ
افسوس کہ یہ گھر ویران ہو گیا۔

بلال:- گفت اندر مہ نگر منگر بمیغ
چاند کو دیکھو، بادل سے نظر ہٹاؤ۔

سبق

مومن موت کو ایک پل سمجھتا ہے۔ جس سے پار ہو کر وہ اپنے محبوب حقیقی کو جا ملتا ہے۔ چنانچہ بزرگوں نے لکھا ہے۔

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ ۔
موت ایک پل ہے۔ جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

اسی لئے ایک شاعر نے لکھا ہے۔ کہ ؎

مزہ جو مرنے کا عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

حکایت نمبر ۱۴۳

توفیقِ ذکر

ایک شخص رات بھر اللہ! اللہ! کا ورد کرتا رہا جذبِ درولں کے ساتھ اُس نے ذکرِ الٰہی میں رات گذار دی۔ صبح کے وقت اس پر شیطان ظاہر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے نادان! تو رات بھر اللہ کو بلاتا رہا ہے۔ کیا اُس نے تیری ایک صدا پر بھی لبیک کہی ہے؟ جب خُدا کی طرف سے تجھے جواب نہیں آتا۔ تو کیوں اُسے بار بار پکارتا ہے؟

اُس شخص نے شیطان کی بات سُن کر اپنا سر جھکا لیا۔ وہ بہت پریشان ہُوا۔ استغراق کے عالم میں اُسے

حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا
کہ تم نے ذکرِ خدا کو کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اُس نے
عرض کی ؎

گفت لبیکم نمی آید جواب!
زاں ہمی ترسم کہ باشم ردِّ باب

کہ مجھے خُدا کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی
اس لئے میں ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں میں مردودِ بارگاہ
تو نہیں ہوں؟

حضرت خضر نے فرمایا۔ کہ مجھے خُدا نے تیری طرف یہ
پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ما است
ایں نیاز و سوز و دردت پیکِ ما است
ترس و عشقِ تو کمندِ لطفِ ما است!
زیرِ ہر یا ربِّ تو لبیک ہا است!
نے ترا در کارِ من آوردہ ام؟
نے کہ من مشغولِ ذکرت کردہ ام؟

جانِ جاہل زیں دُعا جز دور نیست ∴ زانکہ یا رب گفتنش دستور نیست!

(۱) خدا فرماتا ہے کہ تیرا اللہ کہنا ہی ہماری طرف سے صدائے لبیک ہے۔ تیری نیازمندی اور سوزِ درد ہمارا ہی قاصد ہے۔

(۲) تیرا ڈر اور عشق ہمارے لطف کی کمند ہے۔ تیرے ہر یارب کہنے میں بہت سی لبیک کی صدائیں ہیں۔

(۳) کیا تمہیں میں نے اپنے کام میں مشغول نہیں کیا؟ اور کیا میں نے تجھے ذکر کرنے میں نہیں لگایا؟

(۴) جاہل لوگ اس پکار (یعنی ذکر الٰہی) سے دور ہوتے ہیں۔ یارب! کہنا انکا دستور نہیں۔

حضرت خضر نے فرمایا۔ کہ شیطان کی بات پر مت جاؤ۔ تمہیں مبارک ہو۔ کہ تم مردودِ بارگاہ نہیں۔ مقبول بارگاہ ہو!

جان لو اگر تم مقبول بارگاہ نہ ہوتے۔ تو وہ تمہیں اپنے ذکر کی یہ توفیق ہرگز نہ بخشتا۔

سبق

شیطان بڑا عیّار و چالاک ہے۔ وہ ذاکر و عابد بندے کے دل میں اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے اُسے ذکرِ خدا سے غافل کر دینا چاہتا ہے۔ ہمارا کام خدا کی یاد کرنا ہے۔ اور قبول فرمانا خدا کا کام۔ نماز کے لئے مسجد میں آنے کی توفیق دینا۔ نماز و روزہ ادا کرنے کا شوق پیدا کرنا۔ یہی علامت اس بات کی ہے۔ کہ وُہ ہماری پکار و عبادت پر خوش ہے۔ اور عبادت قبول فرما لیتا ہے۔ شیطان لعین کے اس وسوسے میں پڑ کر یہ سوچنا چاہیئے کہ خُدا کی بارگاہ چھوڑ کر پھر ہم جائیں گے کہاں؟ لہٰذا اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر ہم مقبول بارگاہ نہ ہوتے۔ تو وُہ ہمیں اپنے گھر مسجد میں آنے ہی نہ دیتا۔ ہمارے اللہ اللہ کرنے کو اگر اُس نے قبول نہ فرمانا ہوتا۔ تو ہمیں اس بات کی وہ توفیق ہی نہ دیتا۔ ایک حاجی کعبہ شریف کا غلاف پکڑ کر کہنے لگا کہ خدا جانے خدا مجھ پر راضی ہے یا ناراض؟ ہاتف سے آواز آئی۔ کیا تم نے کسی ایسے آدمی کو اپنے گھر بلایا ہے۔ جس پر تم راضی نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ تو جواب ملا۔ اگر ہم تم پر راضی نہ ہوتے

تو اپنے اس گھر میں تمہیں کبھی آنے نہ دیتے۔ ہمارا تمہیں اپنے گھر بلا لینا ہی دلیل ہے۔ اس بات کی کہ ہم تم پر راضی ہیں۔ معلوم ہُوا۔ کہ اللہ والوں کو "اللہ اللہ" کا ذکر کرنے میں مشغول کر دینا خدا ہی کا کام ہے۔ اور وہ اپنے اس ذکر سے اپنے ذکر کرنے والوں پر خوش ہے۔ اپنی فکر ان لوگوں کو کرنی چاہئیے جو اللہ اللہ کرنے والوں پر پھبتیاں کستے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور شیطان کیطرح طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتے ہیں۔ دراصل وہ خود ہی مردودِ بارگاہ ہیں ؎

جو خدا کی یاد میں مشغول ہو
کیوں نہ وہ اللہ کا مقبول ہو

حکایت نمبر ۳۵

حضرت ذوالنون مصری

حضرت ذوالنون مصری پر ایک روز جذب کی حالت طاری ہوئی۔ آپ خانقاہ سے نکل کر ہُو حق کے نعرے لگاتے

ہوئے بازار میں نکل آئے۔ بعض لوگوں نے ان کے اس ہُو حق کے نعروں کو شور سمجھا۔ اور اُنہیں گرفتار کرانے کے لئے حاکم کے پاس جاکر شکایت کی۔ کہ یہ ہمارے سکون میں خلل انداز ہے۔ اسے قید خانہ میں بند کیجئے۔ حاکم نے حکم دے دیا کہ ذُوالنون کو گرفتار کر کے قید خانے میں بند کر دیا جائے چنانچہ سپاہیوں نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ جب وہ انہیں جیل خانے کی طرف لے جانے لگے۔ تو آپ کے مرید اور دوست بہت پریشان ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ حضرت ذوالنون کا یہ رنگ اختیار کرنا بھی کوئی راز کی بات ہے۔ ضرور اس میں کوئی بھید ہے۔ چلو سب مل کر اُن کے پاس چلیں۔ اور ان سے پوچھیں کہ حضرت! اس انداز میں کیا راز ہے؟ چنانچہ سب حضرت کے پاس پہنچے۔ اور کہنے لگے۔ حضور! ہم سب آپ کے مرید اور دوست ہیں۔ آپ کی گرفتاری پر ہم بڑے پریشان ہیں۔ یہ انداز اختیار کرنے میں جو راز ہے۔ وہ ہمیں بھی بتائیے۔ آپ نے جذب کی حالت ہی میں اُن سے پوچھا۔ کیا واقعی تم میرے مرید اور دوست ہو؟ اُنہوں نے کہا۔ ہاں واقعی ہم آپ کے سچے مرید اور دوست ہیں۔ آپ نے اپنی لاٹھی ایک کے سر پر دے

ماری۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ وہاں سے بھاگا۔ پھر ایک پتھر اٹھاکر دوسرے کی پیٹھ پر دے مارا۔ وہ بھی بھاگا۔ تیسرے کو ایک لات مار دی۔ وہ بھی بھاگ اٹھا۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر سارے مرید اور دوست ہونے کے مدعی بھاگ اٹھے آپ زور سے ہنسنے لگے۔ اور فرمایا۔ دیکھ لو یہ میرے سچے مرید اور دوست۔ جو مجھ پر فدا ہونے کو آئے تھے۔ میری چند ضربوں ہی سے بھاگ اٹھے۔ اور میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہوتے۔ تو کچھ بھی ہو جاتا۔ میرا ساتھ نہ چھوڑتے۔

سبق

اللہ کے سچے بندے وہ ہیں۔ جو ہر حال میں اللہ کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ سکھ میں بھی اور دکھ میں بھی۔ پہلے مسلمان ایسے ہی تھے۔ بزرگانِ دین پر جب بھی کبھی خدا کی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہوئی یا کسی ابتلا میں مبتلا ہوئے۔ تو وہ ثابت قدم رہے۔ خدا کا ہرگز انہوں نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اور وہ اس مصرعہ کے مطابق نظر آئے۔ کہ ؎

سرِ دوستاں سلامت کہ تو تیغ آزمائی

انبیاء کرام علیہم السلام پر بڑے بڑے صبر آزما وقت آتے رہے۔ اور اُن نفوس قدسیہ نے اُنہیں خندہ پیشانی سے گزار کر اپنی امتوں کو درسِ استقامت دیا۔ صحابہ کرام و اہلِ بیت عظام میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت پڑھتے سنتے ہوئے بھی دِل کانپ اُٹھتے ہیں۔ مگر ان مردانِ حق کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔ اور ایک آجکل مسلمان بھی ہیں جن کے دعوے تو بہت بُلند ہیں۔ مگر حال یہ ہے۔ کہ سر درد شروع ہوئی۔ تو نماز چھوڑ دی۔ بخار آیا۔ تو روزہ چھوڑ دیا۔ اور خدا کا شکوہ الگ۔ کہ یا اللہ سارے شہر میں بخار کے لئے میں ہی رہ گیا تھا۔ مصائب و آلام میں بھی جو خدا کا ساتھ نہ چھوڑے۔ خدا کا سچا بندہ وہ ہے ؎

آگ سے سونے کی اصلیت کھلے
دوست کی اس وقت جب بپتا پڑے

اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ اللہ کا نام لینے اور ذکرِ جہر کرنے کے پہلے بھی کئی لوگ مخالف تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ اگر اللہ والوں کی محفل میں ہو حق کے نعرے بلند ہوں۔ تو کئی لوگ

مخالف تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ اگر اللہ والوں کی محفل میں ہو حق کے نعرے بُلند ہوں۔ تو کئی لوگ گھبرا اٹھتے ہیں۔ لاؤڈ سپیکر میں گانوں کا شور برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی حمد باری یا نعتِ رسول پڑھنے لگے۔ یا درود و سلام پڑھنے لگے۔ تو جھٹ تھانوں میں جا پہنچتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہماری نیند میں خلل پڑتا ہے۔ لاؤڈ سپیکر بند کرایا جائے ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جاجا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

حکایت نمبر ۳۶

شیبان راعی

حضرت شیبان راعی جنگل میں بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن آپ ریوڑ کے گرد عصا کے ساتھ حصار کھینچ کر قریبی بستی میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تین چار گھنٹے تک آپ کا ریوڑ جنگل میں چرواہے

کے بغیر رہتا تھا۔ لیکن کوئی جنگلی درندہ آپ کے کھینچے ہوئے حصار کے اندر داخل نہ ہو سکتا تھا حضرت شیبان نمازِ جمعہ ادا فرما کر واپس تشریف لاتے تو بھیڑ بکریاں محفوظ و مامون ہوا کرتی تھیں

سبق

جب تک مسلمان اسلام کی قائم کردہ حدود اور اس کی کھینچی ہوئی حصار کے اندر رہے۔ دنیا کی کوئی طاقت ان پر غالب نہ آسکی۔ اور وہ محفوظ و مامون رہے۔ اور جب ترقی کے شوق میں یہ اُن حدود سے آگے بڑھ گئے۔ تو مارے گئے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (پ۲۸ ع ۱۷)

"یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور جو اللہ کی۔
حدوں سے آگے بڑھا۔ اس نے اپنی جان
پر ظلم کیا۔"

غور سے تو آیۂ قرآں پڑھ
حدِ اسلامی سے تو ہرگز نہ بڑھ

حکایت نمبر ۳۷

بے عمل مسلمان

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک آتش پرست رہتا تھا۔ اس کی ایک بے عمل مسلمان سے دوستی تھی۔ ایک دن بے عمل مسلمان نے اپنے کافر دوست سے کہا۔ کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ آگ کو پوجنے سے کیا فائدہ؟ آگ کو تو اپنے پرائے کی بھی کوئی تمیز نہیں۔ تم جو اس کے پجاری ہو۔ تم بھی اگر اس میں کود جاؤ۔ تو تمہیں بھی جلا دے گی۔ پھر اسے پوجنے کا کیا فائدہ؟ بہتر ہے۔ کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور جس نے آگ کو پیدا کیا ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ کافر نے جواب دیا۔ بھائی! اسلام کے دو نمونے میرے سامنے ہیں۔ ایک تو اسلام وہ ہے جو بایزید میں نظر آتا ہے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد و نوافل ادا کرنا۔ ہر وقت اللہ کی یاد میں رہنا۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ کا ادا کرتے رہنا۔ اور ایک اسلام وہ ہے جو تم میں پایا

جاتا ہے۔ نہ کبھی نماز پڑھتے۔ نہ روزہ رکھتے ہو۔ جھوٹ بولنا۔ فریب و مکر سے کام لینا تمہارا کام ہے۔ حقوق العباد و حقوق اللہ کے ادا کرنے کا تمہیں خیال تک نہیں آتا۔ پھر اگر تم یہ چاہتے ہو۔ کہ میں بایزید جیسا مسلمان بنوں۔ تو بھئی یہ تو میرے لئے مشکل ہے۔ اور اگر تم یہ چاہتے ہو۔ کہ تمہارے جیسا مسلمان بنوں۔ تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تمہارے اسلام اور میرے کفر میں فرق ہی کیا ہے۔ نماز اگر میں نہیں پڑھتا۔ تو تم بھی نہیں پڑھتے۔ روزہ میں نہیں رکھتا۔ تو تم بھی نہیں رکھتے۔ خدا کا نام اگر میں نہیں لیتا۔ تو تم بھی نہیں لیتے۔ الغرض جو حال میرا ہے وہی تمہارا ہے۔ پھر مجھے مسلمان ہونے سے کیا فائدہ سچ تو یہ ہے۔ کہ مسلمان ہونے کا خیال اگر مجھے کبھی آتا بھی ہے۔ تو آپ کی حرکتیں دیکھ کر رک جاتا ہوں۔

سبق

بے عمل مسلمانوں نے اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔ یہ نام کے مسلمان ہر اُس حرکت کے مرتکب نظر آتے ہیں۔ جو حرکتیں

کافروں کی ہیں۔ مثلاً کسی بے نماز سے پوچھئے۔ کہ اندرا گاندھی نے کبھی نماز پڑھی۔ تو وہ کہے گا۔ نہیں پھر پوچھئے۔ آپ نے بھی کبھی نماز پڑھی۔ جواب ملے گا نہیں۔ تو فرمائیے۔ یہ دونوں بہن بھائی نہ ہوئے تو کیا ہوئے؟ دریافت کیجئے۔ سورن سنگھ نے کبھی روزہ رکھا۔ جواب ملے گا۔ نہیں۔ اور آپ نے بھی کبھی رکھا؟ جواب ہوگا۔ نہیں۔ تو فرمائیے۔ یہ دونوں "بھائی بھائی" ہوئے یا نہیں۔ اقبال نے اسی لئے تو کہا تھا۔ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ہماری اس بے عملی نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ دعویٰ تو اسلام کا ہے۔ لیکن کام اسلام کے نہیں۔ ؎

ہر بشر کو دعوئے اسلام ہے
پر مسلمان ہونا مشکل کام ہے

حکایت نمبر ۳۸

حکمتِ لقمان

حضرت لقمان کا آقا اِن پر بڑا مہربان تھا۔ دوسرے غلام حسد کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ لقمان اپنے آقا کی نظروں سے گر جائے۔ اور اسے کسی صورت ذلیل کیا جائے آقا نے ایک روز اپنے غلاموں کو شاہی باغ میں بھیجا اور کہا کہ باغ سے پھل فروٹ توڑ کر لاؤ۔ لقمان سمیت سارے غلام شاہی باغ میں گئے۔ اور مختلف میوے توڑ توڑ کر خود ہی کھانے لگے۔ لقمان نے ان کو اس حرکت سے روکا لیکن وہ اپنے سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق میوے توڑ توڑ کر کھاتے رہے۔ لقمان بڑا پریشان ہوا۔ مگر کچھ کر نہ سکا۔ پھر وہ غلام سب مل کر آقا کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ جناب! آپ کا چہیتا لقمان تو بڑا پیٹو اور خائن ہے۔ آپ کے حکم کے مطابق ہم باغ میں پہنچے۔ تو اس ظالم لقمان نے نے ہمارے پھل توڑ توڑ کر خود ہی کھانے شروع کر دیئے۔

اتنا پیٹو ہے۔ کہ ایک پھل بھی اُس نے باقی نہیں رہنے دیا۔ آقا کو غصہ آیا۔ اور لقمان کو طلب کر لیا۔ لقمان آیا۔ تو آقا نے ڈانٹا۔ کہ تم نے میرے باغ کو کیوں اجاڑا۔ اور تم سارا پھل توڑ توڑ کر خود ہی کھا گئے۔ دیکھو یہ غلام تمہاری اس حرکت کی گواہی دے رہے ہیں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟ لقمان نے کہا۔ حضور! ابھی پتہ چل جاتا ہے۔ کہ باغ کا سارا پھل کھا جانے والے کون ہیں۔ ایک دیگ میں پانی ڈال کر اس میں لہسن ڈالئے۔ اور پھر آگ پر اس پانی کو ابالیئے۔ اور اُس کے بعد مجھے اور ان سب غلاموں کو ایک گھنٹہ بھر دوڑائیے۔ جب تھک کر سب آجائیں۔ تو اس لہسن میں اُبلے ہوئے پانی کا ایک ایک گلاس ہم سب کو پلائیے۔ اس کے اثر سے سب کو قے آئے گی۔ اور جس نے پھل کھائے ہوں گے۔ اس کے اندر سے قے کے راستے سب باہر آجائیں گے۔ یہ بات سُن کر سارے غلام گھبرا اُٹھے۔ لیکن بول نہیں سکتے تھے۔ کہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔ چنانچہ آقا نے ایسا ہی کیا دیگ میں پانی اور لہسن ڈال کر اُسے گرم کیا۔ اور پھر ان سب غلاموں کو لقمان سمیت دوڑایا۔ اور تھکایا۔ دوڑ تھک کر جب

واپس آئے۔ تو سب سے پہلے لقمان نے وہ گرم پانی پیا۔ تو قے ہو گئی۔ مگر صرف پانی ہی نکلا۔ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر جب دوسرے غلاموں کو وُہی گرم پانی پلایا گیا۔ تو سب کو قے ہونے لگی۔ آقا نے دیکھا۔ کہ کوئی کیلا قے کر رہا ہے۔ اور کسی کے اندر سے آلو بخارا نکل رہا ہے۔ کسی کی قے میں انگور نکل رہے ہیں۔ الغرض جو جو کچھ اُنہوں نے کھایا تھا۔ وہ سب کچھ باہر آ گیا۔ اصل چور پکڑے گئے۔ اور لقمان کی عزت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

سبق

یہ حکمت لقمان تھی جس کی بدولت خائن و چور پکڑے گئے۔ اور قیامت کے روز حکمت خالق کا بھی ظہور ہوگا جبکہ ایسے مجرموں اور خائنوں کو جہنم کا اُبلتا ہُوا پانی پلایا جائیگا تو پھر اس روز نظارہ یہ ہوگا۔ کہ ایسے خائنوں کو قے ہونے لگے گی۔ اور دُنیا دیکھے گی۔ کہ کوئی ظالم کوٹھیاں قے کر رہا ہے۔ کسی کے اندر سے کاریں نکل رہی ہیں۔ کسی کے اندر سے پرایا مال نکل رہا ہے۔ اور کوئی فرنیچر و غالیچے قے کر

رہا ہے۔ الغرض جو جو بھی یہاں ناجائز مال ہڑپ کیا ہوگا۔ حکومت و قوم سے خیانت کر کے اپنا پیٹ بھرا ہوگا۔ وہ سب کا سب حرام مال قے کے راستے نکل آئے گا۔ اور چور پکڑے جائیں گے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

حکمتِ لقمان چنیں کارے نمود
پس چہ باشد حکمتِ ربِّ ودود

یعنی لقمان کی تدبیر نے یہ کام کیا تو ربّ ودود کی حکمت کیسی ہوگی؟ لہذا عاقبت اندیشی یہ ہے۔ کہ آج ہی اس قسم کی خیانتوں سے سچے دل سے توبہ کر کے اپنا معدہ صاف کرلیا جائے۔ تاکہ کل قیامت کی رسوائی سے محفوظ رہا جا سکے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جس طرح ان غلاموں نے میوے تو خود کھائے تھے۔ اور نام لقمان کا لگا دیا تھا۔ اسی طرح آجکل کے چالاک و عیار لوگ خیانت تو خود کرتے ہیں۔ پرائے مال خود اڑاتے ہیں۔ اور حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں کرتے۔ مگر بدنام مولوی کو کرتے ہیں۔ کہ یہ مولوی بڑا کھاتے ہیں۔ ان کے پیٹ بڑے ہیں۔ حالاں کہ مولوی کے پیٹ میں تو روٹی ہی جاتی ہے۔ اور مولوی دشمنوں

کے پیٹوں میں تو بڑی بڑی کوٹھیاں۔ بلیں اور کاریں سما جاتی ہیں۔ اس قسم کے بڑے کارنامے کرتے تو یہ بڑے لوگ ہیں۔ لیکن پیٹ بڑا مولوی کا بتاتے ہیں۔ ایسے لوگ قیامت کے روز سے ڈریں۔ جہاں ان بڑے پیٹوں سے بڑا کچھ برآمد ہونے لگے گا۔ میں نے لکھا ہے ؎

کچھ ایسا انقلاب دور نے منظر دکھایا ہے
تونگر تھا جو مفلس ہے جو مفلس تھا تونگر ہے
اُبھر کر پیٹ لیڈر کا سُناتا ہے زمانے کو
کہ چندہ قوم کا سارے کا سارا میرے اندر ہے

حکایت نمبر ۳۹

سُلطان محمُود اور چور

سُلطان محمُود غزنوی علیہ الرحمۃ کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ رات کو اپنا بھیس بدل کر شہر کی گشت کیا کرتے تھے۔ رعایا سوتی ہوتی۔ اور بادشاہ جاگا کرتا۔ ایک رات حسبِ معمول

اپنا بھیس بدل کر شہر کی گشت کر رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک جگہ چند چور دیکھے۔ جو کہیں چوری کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ سلطان محمود کو دیکھ کر وہ ڈر گئے اور پوچھنے لگے۔ تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا۔ میں بھی تمہاری مثل ایک آدمی ہوں۔ چور سمجھ بیٹھے۔ کہ یہ بھی کوئی ہماری مثل چور ہی ہے اور یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے۔ سلطان محمود ان میں شامل ہو گئے۔ اور فرمایا۔ کہ اتنی ــــ رات گئے تمہارا گھر سے نکلنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ بولے وہی مقصد جو تمہارا مقصد ہے یعنی چوری کرنا۔ سلطان نے فرمایا۔ اگر چوری کرنا ہے۔ تو پھر شاہی محل کو لوٹو۔ وہاں سے بہت بڑا خزانہ ہاتھ آئے گا۔ جو عمر بھر کے لئے ہمیں بے نیاز کر دے گا۔ چوروں نے یہ مشورہ سن کر سلطان محمود کی ہمت و جرأت کی داد دی اور کہا۔ بڑے دلیر چور ہو۔ کہ شاہی محل میں چوری کرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔ تو آج سے تم ہمارے سردار ہو اور ہم تمہارے تابعدار۔ لیکن کام ہے بڑا مشکل۔ سلطان نے کہا۔ میرے ہوتے ہوئے تم ڈرو مت۔ اور کسی مشکل کو مشکل نہ سمجھو۔ نیاز ہو جاؤ۔ آج شاہی محل ہی کو لوٹا جائے گا۔

لیکن پہلے یہاں بیٹھ کر ایک منصوبہ تیار کر لو۔ اور اپنا اپنا کمال بیان کرو۔ ہم میں سے ہر ایک بتائے۔ کہ وہ کیا خصوصی کمال رکھتا ہے؟ چنانچہ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ ایک چور بولا۔ مجھ میں یہ کمال ہے۔ کہ میں اندھیری رات میں بھی کسی کو ایک بار دیکھ لوں۔ تو دن کو بغیر کسی دقت کے اسے پہچان لیتا ہوں۔ دوسرا بولا۔ مجھ میں یہ کمال ہے۔ کہ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے۔ کہ محل چاہے۔ کتنا اونچا کیوں نہ ہو۔ میری پھینکی ہوئی کمند محل کے کنگرے کو پکڑ لیتی ہے۔ اور ہم سب بآسانی اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ تیسرے نے کہا۔ مجھے یہ کمال حاصل ہے۔ کہ خزانہ زمین کے جس حصّہ میں دبایا گیا ہو۔ میں اپنی ناک سے مٹی کو سونگھ کر معلوم کر لیتا ہوں۔ کہ اس جگہ خزانہ دبایا گیا ہے۔ چوتھا بولا۔ مجھے یہ کمال حاصل ہے۔ کہ چوروں کو دیکھ کر کتے بھونکنے لگتے ہیں۔ میرے کانوں کی یہ خاصیت ہے کہ میں کتے کی آواز سُن کر سمجھ لیتا ہوں۔ کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اب وہ سلطان محمود سے پوچھنے لگے۔ ہم تو اپنا اپنا کمال بیان کر چکے۔ اب تم بتاؤ۔ تم کیا کمال رکھتے ہو۔

آپ نے فرمایا۔ مجھ میں یہ کمال ہے۔ کہ اگر مجرم قید میں ہوں اور جلاد انہیں قتل کرنے کے لئے تختۂ دار پر بھی لے آئیں لیکن میں اپنی داڑھی ہلا دوں۔ تو سارے مجرم قید سے رہا ہو جائیں۔ اور مرنے سے بچ جائیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ واہ کیا کمال ہے۔ واقعی تمہارا کمال سب سے بڑا کمال ہے تو ہمارا سردار ہے۔ کیونکہ تیرا وجود ہماری رہائی کا ضامن ہے۔ اب وہ سب اُٹھے۔ اور شاہی محل کا رُخ کر کے چلے۔ راستے میں ایک کُتے نے انہیں دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ وہ چور جسے کُتے کی زبان سمجھنے کا کمال حاصل تھا۔ اس سے پُوچھنے لگے۔ بتا یہ کتا کیا کہہ رہا ہے؟ وہ بولا۔ بھائیو! جو کچھ کتا کہہ رہا ہے۔ میں خود بڑا حیران ہوں۔ کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ تم بھی سنو گے۔ تو یقین نہیں کرو گے۔ مگر بخدا کتا جو کچھ کہہ رہا ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ بولے بتاؤ تو سہی۔ کتا کہہ کیا رہا ہے؟ اس نے کہا۔ تو سنو۔ کتا کہہ رہا ہے۔ کہ ان پانچوں میں بادشاہ خود بھی موجود ہے سارے ہنسنے لگے۔ اور بولے بیوقوف کہیں کا۔ بادشاہ اور ہم میں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا۔ ہنسو یا

مجھے بیوقوف کہو۔ لیکن بخدا کتا کہہ ہی رہا ہے۔ کہ ان پانچوں میں بادشاہ خود بھی موجود ہے۔ اُن سب نے کہا ممکن ہے۔ کتے کا مقصد یہ ہو۔ کہ شاہی محل لوٹنے جا رہے ہیں۔ پانچوں میں ایک گیا کل ہم پانچوں ہی بادشاہ ہونگے وہ بولا۔ کچھ بھی تاویل کر لو۔ مگر کتا یہی کہہ رہا ہے۔ جو میں بتا چکا ہوں۔

آگے بڑھے تو شاہی محل کے پاس پہنچکر کمند پھینکنے والے سے کہنے لگے۔ اپنا کمال دکھاؤ۔ اور کمند پھینکو۔ تاکہ ہم سب اُوپر چڑھ سکیں۔ اس نے کمند پھینکی۔ جو محل کے کنگرہ سے اٹک گئی۔ اور یہ سب کمند کے ذریعے اُوپر چڑھ گئے اب زمین سونگھنے والے سے کہا۔ زمین سونگھ سونگھ کر بتلاتے جاؤ۔ کہ خزانہ کس کس جگہ موجود ہے۔ چنانچہ اُس نے بھی اپنا کمال دکھایا۔ اور زمین سُونگھ سُونگھ کر شاہی محل کا جتنا خزانہ تھا۔ معلوم کر لیا۔ خزانہ لوٹ کر اسی کمند کے ذریعہ محل سے باہر نکل آئے۔ اور شہر سے باہر کسی ویران جگہ میں بیٹھ کر خزانے کی تقسیم کرنے لگے۔ سلطان محمود نے ان سے کہا۔ تم مجھے سردار تسلیم کر چکے ہو۔ میری بات مانو

اور خزانے کی تقسیم فی الحال ملتوی کر دو۔ کیونکہ اگر یہ خزانہ تقسیم کر کے اپنے اپنے حصے کا مال ہم اپنے اپنے گھر لے گئے۔ اور صبح جب شاہی خزانے کی چوری کا پتہ چلا۔ تو ممکن ہے۔ بادشاہ چور پکڑنے کے لئے جو تدابیر اختیار کرے۔ اُن میں ایک تدبیر یہ بھی ہو۔ کہ سارے شہر کی تلاشی لی جائے۔ تاکہ چور اگر شہر ہی میں ہوں۔ تو اُن کے گھروں سے مال برآمد ہو سکے۔ اور پکڑے جا سکیں۔ ہم اگر اپنا اپنا حصہ گھر لے گئے۔ تو بہت ممکن ہے۔ کل ہم پکڑے جائیں۔ اس لئے کچھ دنوں کے لئے صبر کرو۔ اور خزانہ یہیں زمین کھود کر دفن کر دو۔ پولیس کو دوڑ دھوپ اور اپنی کوشش کر لینے دو۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے۔ تو ہم اطمینان سے یہاں آکر خزانہ کھود کر تقسیم کر لیں گے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور کہا بالکل ٹھیک ہے۔ ہم آپ کے تابعدار ہیں۔ جو حکم ہو ہمیں منظور ہے۔

سلطان محمود فرمانے لگے۔ اب ہم سب اپنے اپنے گھر روانہ ہوتے ہیں۔ لیکن میں نووارد ہوں۔ نہیں میں نہیں جانتا۔ کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو۔ اپنا اپنا مکمل۔

پتہ مجھے لکھوا دو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مکمل پتے دے دیئے۔ اور چور اپنے اپنے گھر اور بادشاہ اپنے محل میں آگیا۔ صبح ہوئی۔ تو ایک شور مچ گیا۔ کہ شاہی خزانہ لوٹ لیا گیا ہے۔ پولیس دوڑ بھاگ کرنے لگی۔ تو سلطان محمود نے انہیں بلا کر ان چاروں چوروں کے نام اور پتے بتا دیئے۔ اور کہا۔ ان چاروں کو گرفتار کر لو۔ چور یہی ہیں۔ پولیس ان کے بتائے ہوئے پتوں پر پہنچی۔ اور چاروں کو گرفتار کر لیا۔ وہ چاروں چور بڑے حیران ہوئے۔ کہ یہ قصہ کیا ہے؟ ہماری مخبری کی کس نے؟ ہم چاروں تو پکڑے گئے۔ مگر ہمارا سردار گرفتار نہیں ہوا۔ یہ کیا بات ہے؟ عدالت میں پیش ہوئے۔ تو شاہی مجرم ہونے پر انہیں پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔ اب تو وہ بہت گھبرائے۔ اور اپنے سردار کو یاد کر کے اور بھی پریشان ہوئے۔ کہ اب وہ سارے خزانے کا خود ہی مالک بن بیٹھے گا۔ تختہ دار پر جب انہیں لے جانے لگے۔ تو سلطان محمود نے حکم دیا کہ ان چاروں چوروں کو میرے حضور پیش کیا جائے تاکہ یہ کوئی اپنی آخری تمنا رکھتے ہوں۔ تو وہ پوری

کی جا سکے۔ چاروں چور دربارِ سلطانی میں حاضر کیے گئے سلطان محمود تاج پہنے تخت پر جلوہ افروز تھے۔ وہ چور جسے یہ کمال حاصل تھا۔ کہ جسے اندھیری رات میں ایک بار دیکھ لے۔ صبح بغیر دقت کے اُسے پہچان لیتا تھا۔ اس نے جو تخت پر بیٹھے ہوئے کو غور سے دیکھا۔ تو پہچان گیا۔ اور اپنے ایک ساتھی کے کان میں کہنے لگا۔ لو بھئی! رات کو کتا سچ ہی کہہ رہا تھا۔ کہ ان پانچوں میں بادشاہ بھی موجود ہے۔ یہ سامنے جو تخت پر بیٹھا ہے۔ یہی تھا۔ ہمارے ساتھ رات کو۔ ساتھی نے کہا۔ ارے بیوقوف کیا بکتے ہو۔ رات کو ایک نے کتے کی زبان کا ترجمہ کر کے چور کو بادشاہ بنا دیا۔ اور اس وقت تم بادشاہ کو چور بنا رہے ہو۔ ان کی کھسر پھسر سُن کر بادشاہ نے کہا۔ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہو؟ رات کے دیکھے ہوئے کو دن میں پہچان لینے والا چور آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔

اے ہمارے سردار! اب اپنی داڑھی کب
ہلاؤ گے۔ کیا اس وقت جب ہم پھانسی پر لٹکا

نہ دیئے جائیں گے۔ ہم نے اپنا اپنا کمال دکھا دیا
اب تم بھی اپنا کمال دکھاؤ۔ اور ہمیں پھانسی
سے بچاؤ۔"

سُلطان محمُود سُن کر ہنس دیئے۔ اور فرمایا۔ پہچان لیا
تم نے مجھے؟ لو میں اپنی داڑھی ہلاتا ہوں۔ جاؤ تم سب
کو رہا کیا جاتا ہے۔ سب رہا کر دیئے گئے۔ اور اسی وقت
وہ سُلطان کے قدموں میں گر کر اپنے پیشہ سے بصدق
دل تائب ہو کر نیک اور صالح بن گئے۔

سبق

مولانا رومی کی اس پر لطف حکایت سے سبق
حاصل کرنے کے لئے حکایت کے حسب ذیل مخصوص حصّے
پیش نظر رکھیئے۔

(۱) سُلطان محمُود کا بھیس بدل کر شہر کی گشت کرنا
(الف) چوروں سے یُوں نہ کہنا کہ میں بادشاہ ہوں۔
بلکہ یہ کہنا کہ میں بھی تمہاری مثل ایک آدمی ہوں

(۳) چوروں کا یہ سمجھنا کہ آدھی رات کو جس مقصد کے لئے ہم گھر سے نکلے ہیں۔ سُلطان بھی اسی مقصد سے کے لئے نکلا ہے۔

(۴) چوروں کا سُلطان محمود کو "دلیر چور" کہنا۔

(۵) چوروں کا سلطان کو سردار مان لینا۔ اور خود تابعدار بن جانا۔

(۶) سُلطان محمود کا اپنا کمال یہ بیان کرنا۔ کہ میں داڑھی ہلا دوں۔ تو تمہاری نجات ہو جائے۔

(۷) کُتے کا سُلطان محمود کو پہچان لینا۔

(۸) سلطان محمود کا اپنے سامنے اپنا خزانہ لُٹتا دیکھنا مگر خاموش رہنا۔

(۹) چوروں کے نام اور پتوں کا سُلطان کے ہاتھ آجانا۔

(۱۰) چوروں کا بادشاہ کی مخبری اور شہادت سے پکڑا جانا

(۱۱) پھانسی کی سزا ملنے پر بادشاہ کی داڑھی ہلنے سے چوروں کا نجات پا جانا۔

(۱۲) اور پھر اُن کا بصدق دل تائب ہو کر نیک اور

صالح بن جانا۔

اب سنئیے نمبر (۱) سے یہ سبق حاصل ہوا۔ کہ خدا تعالےٰ نے اپنے محبوب کو جو سراپا نور ہیں۔ فرمایا۔ کہ اے محبوب تم جہاں جا رہے ہو۔ وہاں سب کافر ومشرک رہتے ہیں۔ تم اگر اپنی اصل شکل میں گئے۔ تو تمہارے ساتھ کوئی مانوس نہ ہوگا۔ اور تم ان میں رہ کر تبلیغ نہ کر سکو گے۔ اس لئے بشریت کا بھیس بدل کر تشریف لے جاؤ۔ چنانچہ آپ جامۂ بشریت میں تشریف لائے نمبر (۲) کے مطابق اعلان فرمایا۔ کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں۔ آپ کا یہ اعلان سن کر کفار یہ سمجھ کر کہ یہ بھی ہماری مثل ایک بشر ہے۔ مطمئن ہو گئے۔ اور بلا خوف حضور کی مجلس وصحبت اختیار کر لی۔ نمبر (۳) کے مطابق حضور کی ایک ایک ادا کو اپنی حرکتوں کے مطابق سمجھنے لگے۔ آپ کو کھانا تناول فرماتے پانی نوش فرماتے سوتے جاگتے دیکھا۔ تو سمجھے ان باتوں میں جو مقصد ہمارا ہے وہی ان کا ہے۔ حالانکہ رات کو نکلے چور بھی تھے۔ اور سلطان محمود بھی نکلا تھا۔ نکلنے میں بظاہر مماثلت

تھی۔ لیکن حقیقت میں اُن دونوں کے نکلنے میں بڑا فرق تھا۔ وہ نکلے تھے چوری کرنے کو اور یہ نکلے تھے چور پکڑنے کو۔ ہم کھاتے پیتے ہیں۔ جینے کو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے رہے۔ ہمیں کھانا پینا سکھانے کو۔ اُستاد بچے کو ہجوں سے پڑھاتا ہے۔ الف لام زبر اَل ح م زبر حَم د پیش دُ۔ اَلْحَمْدُ۔ بچہ بھی اسی طرح کہنے لگتا ہے۔ ہجے کرنے میں دونوں برابر۔ لیکن فرق بے انتہا ہے۔ ایک عالم ہے۔ ایک جاہل۔ جاہل ہجے کرتا ہے پڑھنے کو، اور عالم ہجے کرتا ہے۔ پڑھانے کو۔ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ تاکہ ہم بخشے جائیں۔ اور حضور نے نماز پڑھی تاکہ اُنہیں بخشوا دوں۔ نمبر (۴) کے مطابق بعض لوگوں نے حضور کو رسُول بھی کہا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے جیسا بشر بھی کہہ دیا۔ "دلیر چور" کے جملے میں دلیر کہنا تعریف ہے۔ اور چور کہنا۔ توہین ایسی تعریف کس کام کی جس کے ساتھ توہین بھی ہو۔ نمبر (۵) کے مطابق ایسے لوگوں نے حضور کو اپنا پیشوا بھی مان لیا۔ اور خود کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تابعدار ہونے کا بھی اعلان کر دیا۔ لیکن ایسی تابعداری کا بھی

کیا فائدہ۔ کہ حضور کے منہ سے اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ سُن کر اُس کا غلط مطلب سمجھ کر حضور کو اپنی ہی مثل سمجھ لیا۔ نمبر(۶) کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ قیامت کے روز مجرموں کے حق میں شفاعت کراتے ہوئے جب یہ ہل گئی۔ تو مجرموں کی نجات ہو جائے گی۔ نمبر(۷) کے مطابق کتّے نے۔ سلطان محمود کو پہچان لیا۔ اور اس نے تو اعلان کر دیا۔ کہ ان پانچوں میں بادشاہ موجود ہے۔ حاضر بھی ہے اور ناظر بھی۔ لیکن چوروں نے اُسے غلط سمجھا۔ اور بادشاہ کو حاضر و ناظر نہ مانا۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا اعلان ایک بھیڑیئے نے کیا۔ (مشکوٰۃ شریف) آپ کی ختم نبوت کا اعلان ایک گدھے تک نے کیا۔ (خصائص کبریٰ) اسی طرح آپ کے دیگر کمالات کا اقرار جانوروں تک نے کر لیا۔ مگر منکرین نے اقرار نہ کیا۔ نمبر(۸) کے مطابق سلطان محمود کا اپنا خزانہ لٹتے وقت خاموش رہنا۔ حالاں کہ وہ اسی وقت اُنہیں گرفتار کرا سکتے تھے۔ اس میں حکمت تھی۔ کربلا میں حضور

صلے اللہ علیہ وسلم اپنا گھرانہ لٹتے وقت جو خاموش
رہے ۔ اس میں بھی حکمتیں تھیں۔ اور حکمت بھری باتوں
پر اعتراض کرنا اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نمبر(۹)
کے مطابق ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تمام
جنتیوں کے نام اور مکمل پتے دو کتابوں کی شکل میں
موجود تھے۔ حضور نے فرمایا۔ میرے دائیں ہاتھ والی
کتاب میں جنتیوں کے نام پتے اور بائیں ہاتھ والی
کتاب میں دوزخیوں کے نام اور پتے درج ہیں۔
(مشکوٰۃ شریف) نمبر(۱۰) کے مطابق کل قیامت کے دن
وَجِئۡنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَهِیۡدًا کے مطابق یہ سارے مجرم
حضور ہی کی شہادت سے پکڑے جائیں گے۔ اور مجرم
حیران رہ جائیں گے۔ کہ ہماری مخبری کس نے کر دی
اور نہ سمجھیں گے۔ کہ جسے ہم حاضر ناظر نہیں سمجھتے رہے۔
یہ سب اسی کا کمال ہے۔ نمبر(۱۱) کے مطابق مجرموں
کی سزا کا اعلان ہونے پر حضور مقام محمود پر فائز ہو
کر اپنی شفاعت کی دادھی بلائیں گے۔ تو گنہگاروں کی
نجات ہو جائے گی۔

نمبر (۱۲) کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا لباس بشریت میں تشریف لانا۔ اور لوگوں میں مل جل کر رہنا۔ کھانا پینا۔ سونا جاگنا وغیرہ سب کچھ اس حکمت پر مبنی تھا۔ کہ اگر میں نے ان میں آتے ہی اپنی اصل حقیقت بتا دی۔ کہ میں تو نور اللہ ہوں۔ تو یہ مجھ سے بھاگیں گے۔ ان کو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہہ کر قریب لایا جائے۔ اور ان جیسی کھانے پینے وغیرہ کی اداؤں کو اختیار کر کے یہاں تک متاثر کیا جائے۔ کہ جس طرح اُن چوروں نے اپنی بُری عادت چوری سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی اور نیک و صالح بن گئے۔ اِسی طرح یہ کافر بھی میری اس حکمتِ عملی سے اپنے کفر سے توبہ کر کے نیک اور مومن بن جائیں۔ یہ تھا فلسفہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا لباس بشریت میں تشریف لانے کا۔

ایک بات اور بھی سُن لیجئے۔ کہ سُلطان محمود رات کو جاگا کرتے تھے۔ اور رعایا چین کی نیند سوتی تھی۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ شان ہے جو مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائی ہے کہ ؎

چشمِ بے خواب کے صدقے کہ ہیں بیدار نصیب
آپ جاگے تو ہمیں چین کی نیند آئی ہے

حکایت نمبر ۴

سُلطان محمُود اور ہندُو غلام

سُلطان محمود غزنوی کو ہندوستان میں ایک حملہ کے دوران جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اس میں ایک ہندو غلام بھی تھا۔ اُس کی ذہانت اور شرافت سے متاثر ہو کر محمود غزنوی نے اُسے مُنہ بولا۔ بیٹا کہہ کر سردار بنا دیا۔ ایک دن محمود نے اُسے پہلو میں کُرسی پر بٹھایا تو اُس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ سُلطان حیران رہ گیا۔ کہ یہ رونے کا کونسا موقع ہے؟ سُلطان نے غلام سے پوچھا۔ کہ تو کیوں رو رہا ہے؟

غلام نے عرض کی کہ بچپن میں میری ماں مجھ پر ناراض ہوتی۔ تو یہ بد دعا دیا کرتی تھی۔ کہ تو محمود غزنوی کے ہاتھوں

گرفتار ہو جائے۔ میرا باپ یہ سُن کر کہا کرتا تھا۔ کہ اس سے بری اور بد دُعا کون سی ہو سکتی ہے؟ یہ سُن کر میرے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اور میں سوچا کرتا تھا۔ کہ خدا جانے محمود غزنوی کس بلا کا نام ہے؟ اب میں اس لئے رو رہا ہوں۔ کہ کاش میرے ماں باپ زندہ ہوتے اور بچشمِ خود دیکھتے کہ سلطان نے مجھ پر کتنا کرم کیا ہے!

سبق

معلوم ہُوا۔ کہ محمود غزنوی ایک رحم دل اور انسان شناس بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق ہندوؤں کا یہ نظریہ کہ وہ ڈاکو اور ظالم تھا؛ سراسر بے انصافی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ مردِ مومن کی شان یہ ہے۔ کہ ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے لرز جائیں وہ طوفان

ہندو محمود کے نام سے ہی لرز اُٹھتے تھے۔ سلاطینِ

اسلام میں شجاعت اور مردانگی تھی۔ رُعب اور دبدبہ تھا۔ آجکل کے ماڈرن سلاطین میں شجاعت کی جگہ نزاکت اور مردانگی کی جگہ زنانہ پن نے لے لی ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ جسم انسانی، ہندو غلام کی طرح ہے۔ اور نفسِ انسان، ماں کی مانند ہے، اور محمود غزنوی فقر کی علامت ہے۔ نفس انسان، کو فقر سے ڈراتا رہتا ہے۔ لیکن کاش انسان کو معلوم ہو جائے۔ کہ "فقر" تو محمود کی طرح کرم ہی کرم ہے۔ ؎

چوں شکارِ فقر گردی بالیقیں
ہمچو کودک اشک باری یوم دیں
گر بدانی رحم ایں محمود راد
تو بگوئی عاقبت محمود باد!

جب تو فقر کی گود میں چلا جائے گا۔ تو قیامت کے روز یقیناً ہندو غلام کی طرح مسرت کے آنسو بہائے گا۔ اگر تو اس محمود (یعنی فقر) کے کرم کو جان لے تو خود کہا کرے "عاقبت محمود ہو"۔

حکایت نمبر ۱۴

محمود و ایاز

سلطان محمود کو ایاز سے بڑی محبت تھی۔ ایک حاسد نے ایک روز سلطان محمود سے کہا۔ جناب! یہ آپ کا چہیتا ایاز بڑا مکار ہے۔ بظاہر آپ پر جان فدا کرنے کا مدعی ہے۔ مگر بباطن آپ سے ذرا بھی اُلفت نہیں رکھتا۔ اسے رات دن یہی دھن ہے۔ کہ کسی طرح۔ روپیہ پیسہ۔ جمع کر لوں۔ اور یہ کافی دولت جمع بھی کر چکا ہے۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے۔ کہ فلاں محلّہ میں اُس نے ایک کمرہ لے رکھا ہے۔ رات کے وقت۔ روزانہ وہاں جاتا ہے۔ اور کمرے کو ہر وقت مقفل رکھتا ہے۔ رات کو وہاں تنہا جاتا ہے۔ کتنا بڑا کوئی اس کا عزیز بھی کیوں نہ ہو۔ اُسے ہرگز اس کمرے میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ اپنی جمع کردہ دولت اُسی کمرے میں رکھتا ہے۔ بادشاہ یہ بات سُن

کر حیران ہُوا۔ اور ایک سردار کو حکم دیا۔ کہ اس کمرے کا تالا توڑ کر اندر جو کچھ بھی ہے۔ لے آؤ۔ چنانچہ سردار گیا۔ قفل توڑا۔ اندر گیا۔ تو کمرے میں ایک گٹھڑی نظر آئی۔ جسے اُٹھا کر وہ بادشاہ کے پاس لے آیا۔ بادشاہ کے دربار کے جملہ اراکین بھی جمع ہو گئے۔ کہ دیکھیں گٹھڑی سے کیا برآمد ہوتا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ اسے کھولو۔ اور دیکھو اس میں کیا ہے؟ چنانچہ گٹھڑی کھولی گئی۔ تو اس میں سے ایک ٹوٹی ہوئی جوتی، ایک پرانا پھٹا ہُوا تہ بند اور کرتہ نکلا۔ یہ تینوں چیزیں دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ایاز کو بلایا گیا۔ اور پوچھا کہ تمہاری گٹھڑی سے یہ تین چیزیں نکلی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ایاز نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ حضور! آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے جب میں گھر سے یہاں آیا تھا۔ تو اس وقت۔ میرے پاس یہی ٹوٹی ہوئی جوتی اور پھٹے پرانے کپڑے تھے۔ اب جو میں اس منصب عالی پر پہنچ کر شاہانہ لباس میں پھر رہا ہوں۔ یہ سب آپ کی نظرِ عنایت کا صدقہ ہے۔ میں ہر روز رات کو اس

کمرے میں جاکر ٹوٹے پھوٹے لباس کو سامنے رکھ کر اپنے نفس کو یاد دلاتا ہوں۔ کہ دیکھ لے ایاز! تو جب آیا تھا۔ تو تمہارا یہ حال تھا۔ اور اب جو تم خوشحال۔ اور شاہانہ لباس میں نظر آتے ہو۔ یہ سب حضرت سلطان محمود کا کرم ہے۔ خبردار! اپنے محسن کو مت بھولنا اور اُس کا وفادار رہنا یہ بات سُن کر سلطان محمود کی نظروں میں ایاز کی اور بھی زیادہ قدر ہو گئی۔ اور حاسدوں کا مُنہ بند ہو گیا۔

سبق

انسان کو خدا تعالٰے نے عدم سے موجود فرمایا اور ایک قطرے سے اِسے پیدا فرمایا۔ "فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ" کے مطابق اِسے سوچنا چاہیئے۔ کہ یہ کیا تھا؟ ایسے عاجز کمزور اور بے حقیقت انسان کو اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نعمتوں سے مالا مال کر کے اِسے اشرف المخلوقات کا تاج پہنا کر لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ کی خِلعت سے نوازا حضرت ایاز کی طرح ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم اپنی پہلی۔

حیثیت کو ہر وقت پیش نظر رکھیں۔ اور اللہ کے بے شمار انعامات کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہیں۔ فرعون و شدّاد اپنی حقیقت کو بھول کر ہلاک و برباد ہو گئے۔ خدا تعالےٰ کی نظروں میں اگر اپنی قدر بڑھانی ہے۔ تو اپنی اصلی حقیقت کو یاد رکھیئے۔ اور اس کے انعامات واکرامات پر نظر رکھو کر اس کے وفادار رہیئے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ کسی کا حسد کرنا بُری بات ہے۔ رشک کیجئے یہ جائز ہے۔ رشک یہ ہے۔ کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر اس کی نعمت کا زوال نہ چاہے۔ بلکہ یہ چاہے۔ کہ الٰہی جیسے تو نے اُسے نعمت سے نوازا ہے۔ مجھے بھی نواز۔ اور حسد یہ ہے۔ کہ جیسے میں نعمت سے محروم ہوں۔ اس سے بھی یہ نعمت چھین اور میری طرح اسے بھی محروم کر۔ یاد رکھیئے

ہاتھ حاسد کے نہ کچھ بھی آئے گا
نیکیاں اس کی حسد کھا جائے گا

حکایت نمبر ۲۸۴

بادشاہ کا حکم اور بیش قیمت موتی

حضرت سُلطان محمود غزنوی کو حضرت ایاز سے بڑا پیار تھا۔ دیگر اراکین سلطنت کو اس بات کا بڑا رنج تھا۔ اور سوچتے تھے۔ کہ ایاز میں کونسی ایسی خوبی ہے۔ جس کے باعث بادشاہ اُسے اتنا چاہتا ہے۔ ایک روز اُن میں ایک مصاحب نے بادشاہ سے پوچھ ہی لیا۔ کہ جناب! ایاز سے آپ کو اتنا پیار کیوں ہے؟ اس میں کونسی ایسی خوبی ہے۔ جس کے باعث آپ اس پر مہربان رہتے ہیں بادشاہ نے کہا۔ لو میں بتاتا ہوں۔ کہ ایاز میں کیا خوبی ہے۔ بادشاہ نے ایک بیش قیمت موتی منگوایا۔ اور ایک ہتھوڑا بھی۔ پھر ایک بڑے وزیر سے پوچھا۔ بتاؤ اس موتی کی کیا قیمت ہوگی۔ وزیر نے بتایا۔ اس کی قیمت لاکھ روپے سے بھی زیادہ ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا یہ لو ہتھوڑا۔ اور اس موتی کو اس ہتھوڑے سے توڑ ڈالو۔

وزیر نے کہا۔ توبہ! توبہ! اتنا بڑا قیمتی موتی ہیں۔ کیوں توڑوں۔ بادشاہ نے پھر کہا۔ کہ میرا حکم مانو اور اُسے توڑ دو۔ وزیر نے کہا۔ جناب! میں اتنا قیمتی موتی ہرگز نہ توڑوں گا۔ بادشاہ نے اس کی تعریف کی اور اُسے بیش قیمت خلعت بخش دی۔ پھر ایک ایک وزیر کو بادشاہ بلاتا گیا۔ اور ہر ایک سے یہی کہتا رہا۔ کہ اس ہتھوڑے سے یہ موتی توڑ دو۔ ہر وزیر نے انکار ہی کیا اور کہا۔ جناب! ہم اتنا بیش موتی نہیں توڑ سکتے۔

اُس کے بعد بادشاہ نے پھر ایاز کو بُلایا۔ اور موتی دکھا کر پوچھا۔ بتاؤ اُس کی قیمت کیا ہو گی؟ اُس نے بتایا لاکھوں روپیہ اس کی قیمت ہے۔ بادشاہ نے ہتھوڑا دیا۔ اور کہا۔ لو ہتھوڑے سے اس موتی کو توڑ دو۔ ایاز نے فوراً ہتھوڑا لیا۔ اور اسی وقت ایک ہی ضرب سے موتی کو توڑ ڈالا۔ اور اُسے چور چور کر دیا۔ یہ صورت دیکھ کر سارے حیران رہ گئے۔ دربار میں کھلبلی مچ گئی کہ اس نے یہ کیا کیا؟ ایاز کو سب کوسنے لگے۔ کہ تم نے یہ کیا بُری حرکت کی۔ کہ اتنا بیش قیمت موتی توڑ دیا۔

ایاز نے جواب دیا۔ نادانو! بری حرکت تم نے کی ہے۔ میری نظروں میں اِس موتی کی قیمت سے بادشاہ کا حکم کئی گنا زیادہ قیمتی ہے۔ میں نے تو موتی توڑا ہے تم نے بادشاہ کا حکم توڑا ہے۔ ایسے ہزار موتی بھی ہوں تو بادشاہ کے حکم پر اُنہیں نثار کر دوں۔ بادشاہ نے کہا۔ دیکھا یہ ہے ایاز میں خوبی۔ جو تم میں سے کسی میں بھی نہیں۔

سبق

خُدا کے باوفا اور نیک بندے وُہ ہیں۔ جو خُدا کے حُکم کو دُنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیں۔ اُسکا حکم جان مال اور اولاد کے قُربان کرنے کا بھی ہو۔ تو فوراً تعمیلِ حُکم کریں۔ اور کسی دُنیوی نقصان کو ہرگز پیشِ نظر نہ رکھیں۔ دین کا یہی تقاضا ہے۔ اور الحاد کا مسلک یہ ہے۔ کہ خُدا کا یہ کیا حکم ہے۔ کہ اس کی راہ میں جان بھی قُربان کرو۔ مال بھی۔ اولاد بھی عید قربان پر بیش قیمت جانوروں کو ذبح کر کے

بھی نقصان اُٹھاؤ۔ دین کا جواب یہی ہے. کہ لے الحاد بد نہاد میں دُنیا کو توڑتا ہوں۔ اور تم حکم خُدا کو توڑتے ہو۔ دین کا یہ اعلان ہے کہ سے

جان جائے سر کٹے سب کچھ لُٹے!
دامنِ احمد نہ ہاتھوں سے چھُٹے

حکایت نمبر ۴۳

نواب عمادالمُلک

ہرات کا نواب عماد الملک بڑا سخی اور رعایا پرور تھا۔ رعایا اُس پر بہت خوش تھی. پانچ سو اس کے غلام تھے. جو اس کے بڑے وفادار تھے. نواب ان کو اپنے بیٹوں کی طرح خوش رکھتا تھا۔ اُن کے گلوں میں زریں طوق رہتے تھے۔ اور اُن کے سروں پر قیمتی ٹوپیاں رہتی تھیں. لباس اُنکا اطلس و کمخواب کا ہوتا تھا۔ ان کی کمروں میں سونے کی پیٹیاں بندھی

رہتی تھیں۔ ایک دن یہ غلام بازار سے گزر رہے تھے۔ کہ ایک ننگ دھڑنگ اور بیباک شخص نے ان کی امیرانہ شان دیکھی۔ اور پھر اپنے آپ پر نظر ڈالی۔ نہ پہننے کو قمیض۔ نہ سر پہ ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا تو آسمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ الٰہی! میرے تن بدن پر کپڑا نہیں۔ کھانے کو ملتا نہیں۔ برا حال ہے۔ تو میرا خدا ہے ذرا عماد الملک کے ان بندوں کو دیکھ کس طرح خوشحال ہیں۔ الٰہی عماد الملک سے بندہ پروری سیکھ۔ (معاذ اللہ)

اتفاقاً عماد الملک کے زوال کے دن آگئے۔ اور بادشاہ نے اُسے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ اور اس کے سب غلاموں کو بھی قید کر دیا۔ بادشاہ — عماد الملک کے دفینہ کا پتہ لینا چاہتا تھا۔ کہ اس نے کیا کچھ جمع کیا ہے۔ اور کہاں رکھا ہے۔ سارے غلاموں سے پوچھا۔ مگر کسی نے یہ راز نہ بتایا۔ حتیٰ کہ بادشاہ نے غلاموں کو شکنجے میں کس کس کر ان سے راز معلوم کرنا چاہا۔ لیکن پانچ سو میں سے ایک بھی اپنے مالک سے بے وفائی پر آمادہ نہ ہوا۔ بھید کا علم سب کو تھا۔ مگر

اُنہوں نے انتہائی سخت تکالیف برداشت کر لیں۔ مگر آقا کا راز نہ بتایا۔ اور اس سے بے وفائی نہ کی۔ اس بیباک آدمی نے یہ صورت حال دیکھی۔ تو ہاتف سے اُسے آواز آئی۔ دیکھ ان سے تو بھی بندہ بننا سیکھ۔ ہزاروں اذیتیں برداشت کر کے بھی وہ اپنے مالک کو نہیں بھولے۔ ایک تو بھی ہے۔ کہ ذرا سی تکلیف آ جائے۔ تو خُدا کا شکوہ شروع کر دیتے ہو۔ اس کے نام پر اگر کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے بے وفائی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہو۔ اتنی بے باکی کے ساتھ یہ کہنے والے کہ الٰہی! عماد الملک سے بندہ پروری سیکھ۔ پہلے تم عماد الملک کے غلاموں سے بندہ بننا سیکھو۔

سبق

کسی تکلیف و مشکل میں خُدا تعالےٰ کا ہرگز کوئی شکوہ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈال کر یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ ہم خُدا کے صحیح معنوں میں بندے ہیں یا نہیں؟ ہمارا حال تو یہ ہے۔ کہ نہ خُدا کے احکام کی تعمیل

نہ اس کا خوف - اور نہ ہی اس سے وفا۔ مگر چاہتے ہم یہ ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ ہماری سب تمنّائیں پوری کرے اور جو ہم چاہیں وہی کرے۔ ہم کچھ بھی کرتے رہیں اس کو نہ دیکھے۔ بس وہ فضل و کرم ہی فرماتا رہے ۔ حالانکہ سب سے پہلے ہم بندوں کو اس کا بندہ بننا چاہیئے ۔ پھر خُدا بھی اپنا فضل و کرم ضرور فرمائیگا خدا خود فرماتا ہے - اَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ۔ تم نے جو میرے ساتھ وعدے کیئے ہیں۔ وہ تم پورے کرو - اور میں نے جو وعدہ تم سے کیا ہے۔ وہ میں پورے کروں گا ۔ الغرض بندوں کو بندہ بننا چاہیئے۔ ورنہ خُدا کا شکوہ کسی صورت جائز نہیں۔ خدا نے پاکستان دیا۔ ہم نے وعدہ کیا تھا - ہم پاکستان میں خُدا کے بندے بن کر رہیں گے۔ مگر ۲۵ سال کے عرصہ میں بھی ہم یہ وعدہ پُورا نہ کر سکے۔ پھر آج اگر ہمیں کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ تو خُدا کا شکوہ کیسا - اپنا شکوہ کرو۔ کیونکہ ہم اتنے عرصہ میں بندے بن ہی نہیں سکے۔

سے

خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہے تو اپنا کر مقدر کا نہ کر!

حکایت نمبر ۸۴

پانی کا تحفہ

بیابانِ عرب کا ایک بدّو بڑا مُفلس اور غریب تھا۔ اس کی بیوی نے ایک دن اس سے کہا کہ ہمارے دن رات مُفلسی اور غربت میں گزار رہے ہیں۔ کوئی صورت نکالو۔ جس سے ہماری یہ غربت دُور ہو۔ میں نے سُنا ہے۔ خلیفہ بغداد بڑا مہمان نواز اور سخی ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ ممکن ہے۔ وہ تمہاری مدد کرے اور اپنے انعام واکرام سے ہماری غربت دُور کر دے شوہر نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ لیکن خالی ہاتھ جانا بھی اچّھا نہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ اپنی جھیل سے ایک صراحی پانی کی بھر کر خلیفہ بغداد کے لئے تحفہ لے جاؤں۔ وہ پانی سے

بھری ہوئی صراحی پا کر بڑا خوش ہو گا۔ چونکہ عرب کے صحرائ میں پانی کی بڑی قلت ہوتی ہے۔ اور تھوڑا سا پانی بھی وہاں گرانقدر نعمت سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے بدو نے پانی سے بھری ہوئی صراحی کو بہت ہی عظیم تحفہ سمجھا اور دوسرے روز وہ پانی بھری صراحی سر پر اٹھا کر بغداد کو چل پڑا۔ اور یہی سوچتا گیا۔ کہ خلیفہ اتنا زیادہ پانی دیکھ کر بڑا خوش ہو گا۔ مہینہ بھر کی مسافت کے بعد بغداد پہنچا۔ دربار میں حاضر ہونے کے لئے جب شاہی محل کے دروازے پر پہنچا۔ تو نقیبوں نے پوچھا۔ خلیفہ سے تمہارا کیا کام ہے؟ وہ بولا میں اپنے محبوب خلیفہ کے لئے ایک عظیم تحفہ پانی سے بھری ہوئی صراحی لایا ہوں۔ اتنا پانی پا کر خلیفہ خوش ہو گا۔ اور میری محنت ٹھکانے لگے گی۔ خلیفہ کو جب پتہ چلا۔ کہ کوئی بدو میرے لئے بڑی عقیدت کے ساتھ دور سے پانی لایا ہے۔ تو درباریوں کو حکم دیا۔ کہ اُسے نہایت اعزاز کے ساتھ دربار میں لایا جائے۔ چنانچہ درباریوں نے بڑے اعزاز و اکرام سے اُسے دربار میں لا کر خلیفہ کے سامنے پیش

کر دیا۔ خلیفہ اُس کے استقبال کے لئے خود اُٹھا۔ اور اُس کے سر سے صراحی خود ہی اُتار کر اُس کا پانی اپنے خاص برتن میں ڈال کر اس کی تعریف کی۔ اور خوشی کا اظہار کیا۔ کہ واقعی تم میرے لئے بہت بڑا تحفہ لائے ہو۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ پھر درباریوں کو حکم دیا۔ کہ اس کی صراحی کو اشرفیوں سے بھر کر اور خاص خلعت عطا کر کے اِسے واپس کرو۔ ساتھ ہی درباریوں سے یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اِسے دریا دجلہ کے راستے کشتی پر بٹھا کر واپس کرنا۔ اور کسی دوسرے راستے سے واپس نہ لے جانا۔ بلکہ دریائے دجلہ کے راستے واپس کر کے دریا کے پانی کے علاوہ ـــــ میرے شاہی باغ کے فواروں کی جھلک بھی اِسے دکھا دینا۔ چنانچہ اس بدو کی صراحی اشرفیوں سے بھر دی گئی۔ اور خلعت خاص بھی عطا کی گئی۔ واپسی کے وقت اُسے شاہی باغ میں سے گزارا گیا۔ بدو نے اس باغ میں جا بجا فواروں میں سے پانی اُچھلتا اور بہتا دیکھا۔ تو وہ بڑا نادم ہُوا۔ کہ میری صراحی کا پانی ان فواروں کے سامنے کیا حقیقت رکھتا تھا؟ آگے بڑھا۔ تو دریائے دجلہ نظر آیا۔ اب جو اُسے پانی کا

اتنا بڑا دریا نظر آیا۔ تو وہ شرم و ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ سوچنے لگا۔ کہ میں نے یہ کیا کیا؟ کہ صراحی بھر پانی کو خلیفہ کے لئے ایک نایاب چیز سمجھتا رہا۔ اور یہ گمان کیا۔ کہ خلیفہ نے اتنا پانی شاید ہی کبھی پایا ہو؟ پھر خلیفہ کے جود و کرم کا خیال کر کے حیران رہ گیا کہ میرا یہ حقیر تحفہ اُس نے کس محبّت سے قبول کیا۔ اور کس طرح میرے حقیر تحفہ کی قدر کی اور اپنے خاص برتن میں ڈال کر مجھے اشرفیوں اور خلعت خاص سے مالا مال کر دیا۔

سبق

ہماری نمازیں اور عبادت بدّو کی پانی بھری صراحی کی طرح ہے۔ جیسے ہم یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہم نے نماز پڑھ کر اور کچھ وقت اللہ اللہ کر کے بڑا کمال کر دیا ہے۔ ہماری یہ عبادت اللہ کے حضور پہنچے گی۔ تو وہ فرمائیگا میرے بندے نے ایک نایاب چیز حاضر کی ہے۔ مگر ہماری یہ ٹوٹی پھوٹی نمازیں جب خدا کے حضور پہنچتی ہیں۔ تو وہاں اولیاء اللہ کے ذکر و فکر کے فوارے فرشتوں کی

تحمید و تقدیس کی نہریں۔ انبیاء و مرسلین کی عبادت کے دریا اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے سمندر بہتے نظر آتے ہیں۔ باوجود اس کے خدا تعالےٰ اتنا بڑا کریم ہے۔ کہ ہماری ان ٹوٹی پھوٹی نمازوں کو قبول فرما کر فرماتا ہے۔ ذکان سعیکم مشکوراً اور پھر ہماری جھولیاں اپنی رحمت کی اشرفیوں سے بھر کر ہمیں نوازتا ہے۔

حکایت نمبر ۵۸

ایک امیر اور اس کا غلام

کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا امیر آدمی تھا۔ جو بڑا کاہل و سست تھا اور نماز پڑھنے کا نام بھی نہ لیتا تھا۔ اُس کا ایک غلام تھا۔ جس کا نام سنقر تھا۔ یہ غلام بڑا نیک اور پانچ وقت کا نمازی تھا۔ ایک روز صبح ہی صبح آقا نے سنقر سے کہا۔ کہ مجھے غسل کرنا ہے۔ میرے ساتھ حمام میں چلو۔ چنانچہ تیل۔ تولیہ اور صابن لے کر سنقر اپنے

آقا کے ساتھ حمام کی طرف چلا۔ راستے میں ایک مسجد سے صبح کی اذان کی آواز سُنی۔ تو سنقر نے آقا سے کہا۔ کہ مجھے اجازت دیجئے۔ میں مسجد میں جا کر فجر کی نماز پڑھ آؤں۔ آقا نے کہا۔ جاؤ۔ میں مسجد کے باہر تمہاری انتظار کرتا ہوں۔ غلام مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگا۔ اور آقا باہر بیٹھ کر اس کی انتظار کرنے لگا۔ نماز ہو چکی۔ امام اور مقتدی سب باہر آ گئے۔ لیکن سنقر نماز کے بعد وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ کافی دیر گزر گئی۔ تو آقا نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ اور کہا۔ سنقر! سارے نمازی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل آئے ہیں۔ لیکن تو ابھی تک اندر ہی ہے۔ تجھے کون باہر نہیں نکلنے دیتا۔ سنقر نے اندر سے جواب دیا۔ حضور! مجھے باہر وہ نہیں نکلنے دیتا۔ جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا۔

سبق

اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ نماز پڑھتے اور دیگر فرائض ادا

کرتے ہیں۔ وہ اللہ کا شکر ادا کریں۔ کہ خدا نے اُنہیں اپنے دروازے پر آنے کی توفیق دی۔ نماز پڑھنا یا دیگر نیک کام کرنا خدا پر ہرگز کوئی احسان نہیں۔ بلکہ خدا کا یہ ہم پر احسان ہے۔ کہ اُس نے ہمیں ان اعمال حسنہ کی توفیق دی۔ اور جو لوگ مسجد میں نہیں آتے۔ نماز نہیں پڑھتے۔ وہ اپنی بدنصیبی پر روئیں۔ کہ وہ خُدا کے گھر قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ علامہ اسعد یافعی نے ایک عابدہ عورت کا واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایک عابدہ عورت تہجد پڑھ کر ان لفظوں میں دُعا مانگ رہی تھی۔ الٰہی! تجھے اُس محبّت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ مجھے بخش دے۔ اس کا خاوند قریب ہی مزے کی نیند سو رہا تھا۔ اس کی اتفاقاً آنکھ کھل گئی۔ اور اس نے اپنی بیوی کے مونہہ سے دُعا کے یہ لفظ سُنے۔ تو پوچھنے لگا۔ تمہیں یہ کسطرح معلوم ہو گیا ہے۔ کہ خدا کو تجھ سے محبت ہے۔ وہ بولی یہ بات مجھے اس طرح معلوم ہوئی ہے۔ کہ اگر اُسے مجھ سے محبّت نہ ہوتی۔ تو آپ جیسوں کو میٹھی نیند سلا کر اور مجھے جاگنے کی توفیق دے کر تہجد پڑھنے کے لئے کبھی مصلّے پر نہ آنے دیتا

مجھ سے اُسے محبّت تھی۔ جبھی تو اس نے اس وقت جگا کر مجھے اپنے دروازہ پر بلا لیا ہے"۔ ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے۔ حج کرنے گئے۔ تو کعبہ شریف کی دیوار سے لپٹ کر رو رو کر کہنے لگے۔ الٰہی! کیا خبر کہ تو مجھ پر راضی ہے یا نہیں؟ ہاتف سے آواز آئی۔ میرے بندے! جس پر تو راضی نہ ہو کیا تو نے کبھی اُسے اپنے گھر بُلایا ہے؟ تم جس پر راضی ہوتے ہو۔ اُسی کو گھر بلاتے ہو۔ میں نے بھی تم کو جو اپنے گھر بُلایا ہے اسی لئے کہ میں تم پر راضی ہوں۔

معلوم ہُوا۔ کہ خُدا تعالےٰ جن پر راضی ہے۔ انہیں نیک اعمال کی توفیق مل جاتی ہے۔ اور جن پر خدا راضی نہیں۔ اُنہیں مسجد میں آنے کی نہیں۔ سینما و تھیٹر اور کلبوں میں جانے کی ہوس ملتی ہے۔ ؎

جو شب کو کھیل تھیٹر کا تو دن کو کھیل کرکٹ کا
سبق اسلام کا بھولے یہ ہر دم کھیلنے والے

ایسے لوگوں کو دن رات کی نمازوں سے کیا غرض۔ دن کو ہاکی۔ اور رات کو ٹاکی خدا ایسی بے باکی سے بچائے۔

حکایت نمبر ۱۴۶

جالینوس کے لئے دوا

جالینوس نے ایک دن اپنے شاگردوں سے کہا۔ کہ مجھے فلاں دوا فوراً لاکر دو۔ تاکہ میں کھاؤں۔ شاگردوں نے کہا۔ جناب! وہ دوا تو پاگلوں کے لئے ہے۔ جسے جنون لاحق ہو۔ اُسے استعمال کرائی جاتی ہے۔ خدا نہ کرے۔ کہ آپ کو اس دوا کی ضرورت پڑے۔ جالینوس نے کہا۔ تم وُہی دوا لاکر مجھے کھلاؤ۔ کیونکہ آج ایک پاگل نے مجھے دیکھا۔ تو بڑی محبّت سے مجھے گلے ملا۔ اور مجھ سے پیار کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے ایک دم میری آستین کو پھاڑ ڈالا۔ میں نے سوچا۔ اگر وہ پاگل مجھے اپنا ہم جنس نہ سمجھتا۔ تو کبھی میری طرف نہ آتا۔ نہ مجھے گلے ملتا۔ اور نہ پیار کی باتیں کرتا۔ جب دو شخصوں میں ربط و ضبط ہو۔ تو ضرور ان کے درمیان کوئی قدر مشترک موجود ہوتی ہے۔ سہ

کے پرد مُرغے بجز با جنسِ خود
صحبتِ ناجنس گورامت و لحد

پرندہ اپنے ہم جنس کے سوا دوسرے کے ساتھ کب اُڑتا ہے۔ صحبتِ ناجنس تو مرنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

سبق

کسی متقی سے اگر کسی عیاش کو گلے ملتے یا کسی حق گو عالم سے کسی بد عقیدہ کو ملتے جُلتے دیکھو۔ تو ایسے متقی و عالم کے لئے دُعا کیجئے۔ کہ خدا اُسے عیاشی اور بد عقیدگی سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ متقی اور خوش عقیدہ عالم سے اگر کوئی بد عقیدہ خوش دلی سے ملے گا۔ تو وُہ ضرور اُسے کچھ نہ کچھ اپنا ہم خیال ہی سمجھ کر ملے گا ورنہ بد عقیدہ آدمی تو حق گو عالم کے نزدیک بھی نہیں آتا ؂

دور شو از اختلاطِ یارِ بد
یارِ بد بدتر بود از مارِ بد!

میں نے لکھا ہے ؂ بد عقیدہ سے رہو تم دور دور!
ورنہ لے ڈوبے گا وہ تم کو ضرور!

حکایت نمبر ۷۹

شہر محبوب

ایک معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا کہ تم نے تلاشِ محبوب میں سینکڑوں شہروں کی خاک چھانی ہے۔ بتاؤ کہ تمہیں کون سا شہر پسند ہے؟

عاشق نے جواب دیا۔ "جس شہر میں تم رہتے ہو۔"

ے ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ!
جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ
با تو دوزخ جنت است اے جاں فزا
با تو زنداں گلشن است اے دل ربا
ہر کجا تو با منی من خوش دلم!
در بود در قعر گورے منزلم
خوشتر از ہر دو جہاں آں جا بود
کہ مرا با تو سرو سودا بود

(۱) جہاں چاند جیسا خوبصورت یوسف ہو

وہ جگہ چاہے کنواں ہی کیوں نہ ہو، جنت ہے۔

(۲) اے جانفزا تمہارے ساتھ دوزخ بھی جنت ہے، تمہارے ساتھ قید خانہ گلشن ہے۔

(۳) میری منزل اگرچہ قبر کی گہرائی ہی کیوں نہ ہو، اگر تو میرے ساتھ ہو تو میں مسرور ہوں

(۴) دونوں جہاں میں وہ جگہ سب سے بہتر ہے۔ جہاں مجھے تیرے ساتھ محبت کا قیام ہو

سبق

(۱) جہاں قرآن جیسی روشن کتاب کا آئین نافذ ہو۔ وہاں چاہے دُنیوی سامان ہائے راحت نہ بھی ہوں جنت ہے۔

(۲) خُدا کے ساتھ تعلق ہو۔ تو مصائب و آلام بھی اُسے انعام نظر آتے ہیں۔

(۳) مسلمان اگر غربت و افلاس کی گہری قبر میں بھی کیوں نہ ہو حضور کی محبت ساتھ ہے۔ تو وہ خوش نصیب ہے

(۴) سارے شہروں میں وہ شہر سب سے بہتر ہے۔ جہاں محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام ہے۔ یعنی مدینہ شریف ؎

نہ جنت نہ جنت کی کلیوں میں دیکھا
مزہ جو مدینے کی گلیوں میں دیکھا

حکایت نمبر ۴۸

مَیں

ایک عاشق نے اپنے محبوب کے گھر آکر دروازے پر دستک دی۔ اور کہا۔ دروازہ کھولو۔ محبوب نے پوچھا۔ کون ہے؟ عاشق بولا۔ میں تمہارا عاشق صادق محبوب نے کہا۔ تو ابھی سچّا عاشق نہیں۔ تجھ میں ابھی "میں" باقی ہے۔ جب تک تم میں "میں" موجود رہے گی تم کامیابی سے دُور رہو گے۔ تمہارے خام ہونے کی یہی دلیل ہے۔ کہ تمہارے سر میں ابھی کبر و غرور موجو

ہے۔ کبر و غرور نہ ہو۔ تو "میں" بھی باقی نہیں رہتی۔ جاؤ واپس چلے جاؤ۔ اور ہجر و فراق کی آگ میں اس "میں" کو جلا کر آؤ۔ عاشق واپس آگیا۔ اور سال بھر ہجر و فراق میں جلتا رہا۔ اور ایک سال کے بعد پھر درِ محبوب پر حاضر ہُوا۔ اور دستک دی۔ محبوب نے پوچھا۔ کون ہے؟ عاشق نے جواب دیا۔ جانِ من اندر بھی تو ہے اور باہر بھی تو ہی ہے۔ محبوب نے یہ جواب سُنا۔ تو دروازہ کھول کر کہا۔ اب آ جاؤ۔ اب تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رہا۔

سبق

قوم کے لیڈر میں اگر اقتدار کی ہوس ہو۔ اور وہ چاہے۔ کہ میں لیڈر کہلاؤں۔ لوگ میرے پیچھے لگیں۔ میں قائد بنوں۔ جو میں ہوں۔ وہ میں ہی ہوں۔ جو میں کہوں وُہی ہو جو میں نہ کہوں وہ نہ ہو۔ اپنا مفاد سامنے رکھے اور قوم کا مفاد اُس کے پیشِ نظر نہ ہو۔ ایسا لیڈر قوم کا عاشق صادق نہیں۔ ہاں جو لیڈر اپنی "میں" کو قوم کے

سامنے مٹا دے۔ اور فنا فی القوم ہو جائے۔ اور قوم کے مفاد کو اپنا مفاد سمجھے۔ وہ سچا لیڈر ہے۔ ایسے لیڈر اور قوم میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک ہیں۔ ایسا لیڈر اس قابل ہے۔ کہ قوم اپنے دل کا دروازہ کھولکر اُسے اپنے دل میں جگہ دے۔ اور ایسے لیڈروں سے خدا بچائے۔ جن کے متعلق میں نے لکھا ہے کہ ؂

بچاری قوم ہے رنج و تعب میں
مگر لیڈر ہیں سب عیش و طرب میں

حکایت نمبر ۹۴

چینی اور رومی

ایک دفعہ چینیوں اور رومیوں میں یہ بحث چل پڑی کہ بہترین نقاش اور مصور کون ہیں! چینیوں کا دعوی تھا کہ جیسے ہم نقش و نگار کے ماہر ہیں۔ ایسا کوئی نہیں ۔ رومیوں کا دعویٰ تھا۔ کہ نقاشی کا فن ہمیں جانتے ہیں

ہمارے سوا دوسرا کوئی اس فن کا ماہر نہیں۔ آخر فیصلہ یہ ہُوا۔ کہ دو دیواریں ہوں۔ جن کے درمیان ایک پردہ حائل ہو۔ تاکہ ایک دوسرے کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ پھر چینی ایک دیوار پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ اور دوسری پر رومی۔ مدّت ایک مہینہ کی ہو۔ اور دونوں اپنے اپنے کمال کا مظاہرہ کریں۔ مہینہ بھر کے بعد درمیان سے پردہ ہٹا دیا جائے۔ کہ کون اس فن میں بڑھا ہُوا ہے۔ چنانچہ دو دیواریں مقرر کی گئیں۔ درمیان میں پردہ لٹکا دیا گیا۔ چینیوں نے سینکڑوں قسم کے رنگ و روغن منگوائے۔ اور دیوار پر نقش و نگار بنانے لگے۔ متواتر ایک مہینہ انہوں نے دل لگا کر اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اور دیوار کو چمنستان بنا کر رکھ دیا۔ دیوار ایک پُر بہار باغ نظر آنے لگی۔ دوسری طرف رومیوں نے کوئی رنگ و روغن نہ منگوایا۔ اور مہینہ بھر دیوار کو صیقل کرنے لگے۔ اور رگڑ رگڑ کر اُس کا سارا زنگ ونگ اُتار کر اُسے مثل آئینہ کے صاف و شفاف بنا دیا۔ مہینہ بھر کے بعد لوگ جمع ہُوئے۔ کہ دیکھیں کون اپنے فن میں بڑھا ہے چینیوں

کا نقش و نگار دیکھ کر سب عش عش کر اُٹھے۔ لیکن جب درمیانی پردہ اُٹھایا گیا۔ تو رومیوں کی صیقل کردہ۔ دیوار جو آئینہ بن چکی تھی۔ چینیوں کے تمام نقش و نگار اس دیوار میں منعکس ہو کر اور بھی زیادہ خوبصورت نظر آنے لگے۔ اور یہ عکس اصل سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آنے لگا۔ اس طرح رومیوں کی جیت ہو گئی۔ اور چینی ہار گئے۔

سبق

سب سے بڑا کمال دل کی صفائی ہے۔ جو لوگ اپنے دل کو بغض و کینہ سے صاف کر لیتے ہیں۔ ذکر حق کے صیقل سے دن رات دل کے زنگ کو دُور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے دل حق نما آئینہ بن جاتے ہیں اور خُدا کے اوصاف کے مظہر بن جاتے ہیں۔ بلکہ ایسا دل۔ خُدا کا گھر بن جاتا ہے۔ مغربی تہذیب ظاہری نقش و نگار کی ماہر ہے۔ سُرخی پوڈر لپ اسٹک وغیرہ سینکڑوں قسم کے سامان منگوا کر یہ ظاہری بناوٹ میں لگی رہتی ہے۔ لیکن

اسلامی تہذیب ذکر حق اور معرفت الٰہی کی رگڑ سے دل کے صاف کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ اور مصنوعی رنگ و روغن سے کام نہیں لیتی جس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے۔ کہ دل کی صفائی سے ایک ایسا حقیقی حسن و جمال نظر آنے لگتا ہے۔ جس کے سامنے مغربی تہذیب کا مصنوعی حسن ہیچ نظر آنے لگتا ہے۔ میں نے ایک نظم میں لکھا تھا۔ ؎

حسن بنتا تھا کبھی جو خون سے
آجکل بنتا ہے وہ پتلون سے

سُرخی و پوڈر سے تیار کردہ حسن کا یہ عالم ہے۔ کہ پسینہ آیا۔ تو حسن غائب۔ اور اہل دل کے حُسن کا یہ عالم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِذَا رُءُوْ ذُکِرَ اللہ انہیں دیکھئے تو اللہ یاد آ جائے۔ معلوم ہُوا۔ کہ مغربی تہذیب انسان کو۔ بوزینہ بناتی ہے۔ اور اسلامی تہذیب دل کو آئینہ بناتی ہے۔ ؎

دل ہیں جن کے صاف بغض و کینہ سے
کیا چمکتے ہیں پڑے آئینہ سے!

حکایت نمبر ۵۰

یہودی عیسائی اور ایک مسلمان

یہودی۔ عیسائی اور ایک مسلمان تینوں اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک گاؤں میں اُنہوں نے قیام کیا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ گاؤں والوں نے تینوں کو مسلمان سمجھا اور روزہ کی انطاری کے وقت ایک شخص اُن کے لئے حلوہ پکا کر ایک بڑے طباق میں لے آیا اور انہیں دے گیا۔ یہودی اور عیسائی دونوں نے مشورہ کیا۔ کہ یہ ہمارا ساتھی مسلمان روزے سے تھا۔ اگر حلوہ اِسی وقت کھایا گیا۔ تو یہ زیادہ کھا جائے گا۔ ہمارے حصّہ میں کم آئے گا۔ اس لئے کسی بہانے اس حلوے کا کھانا صبح تک ٹالیں۔ تاکہ یہ روزے سے ہو۔ اور سارا حلوہ ہم دونوں کھا سکیں۔ چنانچہ وہ مسلمان ساتھی سے کہنے لگے بھئی ہم بدہضمی میں مبتلا ہیں۔ اس وقت ہم حلوہ نہیں کھائیں گے۔ ہمارا خیال ہے حلوہ محفوظ رکھیں اور صبح کھائیں

مسلمان نے کہا نہیں حلوہ تازہ تازہ ہی کھانا بہتر ہے
آخر کل تک صبر کرنے میں کیا تک ہے۔ انہوں نے کہا۔
ہم جان گئے۔ تیری نیت یہ ہے۔ کہ تو روزے سے تھا
تو ہی اکیلا سارا حلوہ ہڑپ کر جائے۔ ہم تو ایسا کبھی نہ
ہونے دیں گے۔ حلوہ کو اس وقت محفوظ رکھ دیتے ہیں۔
صبح اٹھیں گے۔ تو اس رات ہم تینوں نے جو جو خواب دیکھا
ہوگا۔ وہ سنائیں گے۔ پھر جس کا خواب سب سے اچھا
ہوگا۔ سارا حلوہ اُسے دے دیا جائے گا۔ مسلمان نے یہ
تجویز مان لی۔ اور حلوہ ایک جگہ رکھ کر تینوں سو گئے۔
سحری کا وقت ہوا۔ تو حسب معمول مسلمان اُٹھا۔ اور اطمینان
سے سارا حلوہ کھا کر پھر سو گیا۔ صبح تینوں جاگے۔ تو
تینوں ایک جگہ بیٹھ کر اپنا اپنا خواب سنانے لگے۔ پہلے
یہودی بولا۔ کہنے لگا۔ میرا خواب سنو۔ رات کو خواب
میں میرے پیغمبر حضرت موسےٰ علیہ السلام تشریف لائے
تھے۔ انہوں نے مجھے جگایا۔ اور فرمایا۔ اٹھ اور میرے
ساتھ کوہ طور پر چل۔ چنانچہ میں اپنے پیغمبر کے ساتھ کوہ
طور پر چلا گیا۔ وہاں پہنچکر عجیب و غریب نورانی نظارے

دیکھے۔ عیسائی بولا۔ رات کو خواب میں میرے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لائے تھے۔ اُنہوں نے مجھے جگایا اور فرمایا۔ اُٹھ اور میرے ساتھ آسمان پر چل۔ جہاں میں رہتا ہوں۔ چنانچہ رات خواب میں اپنے پیغمبر کے ساتھ میں آسمانوں کی سیر کرتا رہا۔ تم کوہِ طور پر تھے۔ جو زمین پر ہے۔ اور میں آسمان پر تھا۔ خواب میرا بلند درجے کا ہے۔ اب مسلمان بولا۔ کہنے لگا۔ بھئی! سحری کا وقت ہوا۔ تو میرے پیغمبر حضور علیہ السلام بھی تشریف لائے تھے۔ مجھے جگا کر فرمانے لگے اُٹھ دیکھ ایک تیرا ساتھی کوہ طور پر۔ اور دوسرا آسمان پر چلا گیا ہے۔ تو اب یہاں اکیلا رہ گیا ہے۔ سحری کا وقت ہو گیا ہے صبح تم نے روزہ رکھنا ہے۔ سحری کے لئے حلوہ موجود ہے۔ اُٹھ کر سارا حلوہ کھا لو۔" چنانچہ بھائیو! اپنے پیغمبر کا حکم مجھے بھی ماننا پڑا۔ اور میں نے سارا حلوہ کھا لیا یہ سُن کر یہودی اور عیسائی بڑے پریشان ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کیا واقعی تو حلوہ کھا گیا ہے؟ وہ بولا۔ خود ہی سوچو۔ کوئی اپنے پیغمبر کی حکم عدولی کر سکتا ہے؟

اُنہوں نے کہا۔ ظالم ہمیں بھی بلا لیا ہوتا۔ اس نے کہا۔ آوازیں تو میں نے دیں تھیں۔ مگر سُنتا کون؟ ایک کوہِ طور پر تھا۔ دوسرا آسمان پر۔ وہ دونوں بولے بھئی! خواب تو تیرا ہی سچا ہے۔ جو کچھ تو نے دیکھا ہے ہمارے سو خوابوں سے اچھا ہے۔ تیرا خواب عین بیداری ہے۔ کیونکہ تو نے خواب میں اپنی مُراد حاصل کر لی۔

سبق

یہُودی اور عیسائی ہمیشہ مسلمانوں کے مخالف رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور ان کو دین و مذہب کے حلوے سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان دشمنوں کے وعدوں اور گھاتوں میں جو پھنس گیا۔ سمجھ لیجئے۔ اُس نے اپنا نقصان کر لیا۔ جو دانا مسلمان ہیں۔ وہ اُن کے داؤ میں نہیں آتے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ آجکل بڑے بڑے عیار و چالاک لوگ تبلیغ کا لبادہ اوڑھ کر اپنی طرح طرح کی بناوٹی باتوں سے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کا حلوہ اڑانا چاہتے ہیں۔ اس مسلمان

کی طرح آج بھی ہر مسلمان کو چوکنا اور خبردار رہنا چاہیئے۔ تاکہ کوئی اس کے ایمان کے حلوے کو اڑا نہ سکے

سہ
دین کے چوروں سے تو ہشیار رہ
ان سے بچنے کے لئے بیدار رہ

حکایت نمبر ۱۵

ایک بہرہ

ایک شخص بے حد بہرہ تھا۔ اُس کا پڑوسی بیمار پڑ گیا لوگ دُور دُور سے اس کی بیمار پرسی کے لئے آنے لگے۔ بہرے کو معلوم ہُوا۔ تو اُس نے سوچا۔ بیمار پرسی مسنون ہے۔ مجھے بھی جانا چاہیئے۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ وہ بیمار ہے۔ اور میں بہرہ۔ وہ بات آہستہ کرے گا۔ اور میں سُن نہ سکوں گا۔ پھر میں کیا کروں؟ آخر اس نے سوچا۔ کہ بیمار پرسی کا ایک مخصوص طریقہ ہے۔ اور باتیں بھی مقرر ہیں۔ جو اس موقعہ پر کی جاتی ہیں۔ بیمار پرسی کے لئے جائیے

تو بیمار سے پہلا سوال یہی کیا جاتا ہے کہ آپ اب کیسے ہیں ؟ تو بیمار یہی جواب دیتا ہے کہ پہلے سے اچھا ہوں۔ میں بھی پہلے یہی پوچھوں گا کہ اب آپ کیسے ہیں ؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ پہلے سے اچھا ہوں۔ تو میں کہوں گا۔ خُدا کا ہزار بار شُکر ہے۔ پھر دوسرا سوال جو بیمار سے کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کس طبیب کا علاج کرا رہے ہو۔ تو بیمار کسی قابل طبیب کا نام لیتا ہے۔ میں بھی دوسرا سوال یہی کروں گا۔ کہ کس طبیب کا علاج کرا رہے ہو۔ وہ کسی قابل طبیب کا نام لے گا۔ میں کہہ دوں گا۔ واقعی وہ بڑا ہی قابل طبیب ہے۔ اُسی کا علاج جاری رکھنا۔ پھر غذا کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ خوراک کیا ہے ؟ تو بیمار اکثر کسی نرم غذا کھچڑی۔ وغیرہ کا نام لیتا ہے۔ میں بھی غذا کا پوچھوں گا۔ تو وہ کسی نرم غذا ہی کا بتائے گا۔ میں کہہ دوں گا۔ ماشاءاللہ بڑی اچھی غذا ہے۔ یہی کھاتے رہیئے۔

یہ سوال و جواب خود ہی اپنے دل میں سوچ کر بہرہ بیمار کے پاس پہنچا۔ اس وقت بیمار بڑی تکلیف

میں تھا۔ بہرے نے پوچھا۔ کیا حال ہے اور آپ اب کیسے ہیں؟ بیمار جو بڑا تنگ تھا۔ کہنے لگا۔ مر رہا ہوں بہرے نے کہا۔ خدا کا ہزار بار شکر ہے۔ بیمار یہ جملہ سُن کر حیران ہُوا۔ کہ اُس نے یہ کیا کہا۔ بہرے نے پھر پوچھا کس طبیب کا علاج کرا رہے ہو۔ بیمار نے جواب دیا ملک الموت کا۔ بہرے نے کہا۔ واقعی یہ بڑا ہی قابل طبیب ہے۔ جس نے بھی اس سے علاج کرایا۔ اُس کی تکلیف جاتی رہی۔ اسی کا علاج جاری رکھنا۔ اب تو بیمار غصہ میں آگیا۔ کہ یہ شخص میری بیمار پرسی کے لئے آیا ہے۔ یا مجھے مار ڈالنے کے لئے۔ بہرے نے پھر پوچھا۔ کہ کھاتے کیا ہیں آپ؟ بیمار نے غصّہ میں جواب دیا۔ "زہر" بہرہ بولا۔ واہ واہ! بڑی اچھی غذا ہے یہ۔ ہر روز کھائیے۔ ناغہ نہ کیجئے۔ انشاء اللہ اس غذا سے سب تکلیفیں جاتی رہیں گی۔ اب تو بیمار سخت غصہ میں آگیا۔ اور بہرے سے چلّا کر کہا۔ نکل جاؤ ابھی میرے گھر سے۔ اور اُسے گھر سے نکال دیا۔ اور کہا۔ مہربانی فرما کر آئندہ میرے گھر ہرگز۔ تشریف لانے کی تکلیف نہ فرمائیں۔

سبق

دین سے بے بہرہ انسان اُس بہرے کی مانند ہے جو مسنون طریقہ ادا کرنے اور بیمار کو خوش کرنے کے لئے گیا لیکن اپنی جہالت سے اُسے ناراض کر کے واپس آیا۔ اسی طرح آجکل کے مسلمان مسجد میں جاتے ہیں۔ تاکہ فرض ادا کریں۔ اور خدا کو خوش کریں۔ لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ اُنہیں آتا نہیں۔ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ وہ صحیح یاد نہیں ہوتا۔ اور یہ نماز پڑھنے اور خدا کو خوش کرنے کے لئے مسجد میں جاتے ہیں۔ مگر اپنی غلط سلط نماز سے صحیح ارکان اور صحیح الفاظ ادا نہ کر کے بجائے خدا کو خوش کرنے کے اُسے ناراض کر کے لوٹتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

گفت پیغمبر بیک صاحب ریا
صَلِّ اِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ یا فتیٰ
خواجہ پندارد عبادت می کند
بے خبر از معصیت جاں می برد

ایک ریاکار نمازی سے حضور نے فرمایا۔ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ دوبارہ پڑھ۔ خواجہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ عبادت کر رہا ہے۔ لیکن بے خبر ہے کہ (ریاکاری کی وجہ سے) وہ اپنی جان غارت کر رہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ جس طرح اِس بہرے نے بیمار پرسی کا خود ہی اپنے اجتہاد سے ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ اور اس کے مُطابق عمل کر کے اس نے سمجھا کہ میں نے مسنون طریقہ ادا کر لیا۔ اسی طرح آجکل کے دین سے بے بہرہ ماڈرن مجتہد نماز روزہ۔ حج و زکوٰۃ اور دیگر اسلامی احکام کی اپنے ماڈرن اجتہاد سے خود ہی ایک نئی شکل تیار کر لیتے ہیں۔ اور اس پر عمل کر کے سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہم نے فرض ادا کر لیا ؎

دُعا ہے دین سے ہم بہرہ ور ہوں
اور احکامِ خُدا سے باخبر ہوں!

حکایت نمبر ۵۲

بھینگا

ایک اُستاد نے اپنے بھینگے شاگرد سے کہا۔ میرے گھر جاؤ۔ گھر کے فلاں طاق میں شیشہ رکھا ہُوا ہے۔ وہ لے آؤ۔ شاگرد گیا۔ طاق میں اُسے اپنے بھینگا پن کے باعث دو شیشے نظر آئے۔ واپس آکر اُستاد سے کہنے لگا۔ جناب! طاق میں تو دو شیشے پڑے ہیں۔ کونسا شیشہ لاؤں؟ استاد نے کہا۔ دو شیشے کیسے؟ وہاں تو ایک ہی شیشہ ہے۔ شاگرد نے قسم کھا کر کہا۔ جناب وہاں دو شیشے ہیں۔ اُستاد نے کہا اچھا جاؤ ان دو شیشوں میں سے ایک شیشہ توڑ دو۔ اور دوسرا لے آؤ۔ شاگرد گھر گیا۔ اور پتھر سے اُس نے ایک شیشہ توڑ دیا۔ ایک شیشہ توڑنے کے بعد اُس نے دیکھا۔ کہ دوسرا شیشہ بھی ٹوٹ چکا ہے۔ حیران رہ گیا۔ کہ یہ کیا بات؟ واپس اُستاد کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ جناب! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ایک شیشہ توڑنے سے دوسرا بھی کیوں ٹوٹ گیا۔ اُستاد

نے کہا۔ بیوقوف تمہاری نظر کا قصور ہے۔ شیشہ تو ایک ہی تھا۔ مگر تمہاری ٹیڑھی نظر سے وہ دو نظر آ رہے تھے۔

سبق

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ کلمہ شریف ایمان کا آئینہ ہے۔ توحید و رسالت کا یہ آئینہ ہر مسلمان کے پاس ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اور حکمِ رسول حکمِ خدا ہے۔ قرآن و حدیث پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کو ایک سمجھتے ہیں۔ اور ارشادِ رسول کو ارشادِ خدا سمجھتے ہیں۔ اُن کی نظر صحیح ہے۔ لیکن جو لوگ حکمِ خدا اور حکمِ رسول کو الگ الگ سمجھتے ہیں اور اطاعتِ رسول کو اطاعتِ خدا نہیں سمجھتے۔ وہ بھینگی نظر رکھتے ہیں۔ ایسے بھینگوں نے یہاں حکمِ رسول کو جو توڑا ہے۔ اُنہیں کل قیامت میں پتہ چلے گا۔ کہ

حکم رسول کو توڑنے سے حکم خدا بھی ٹوٹ گیا تھا۔

قرآنِ پاک میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

تَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ

اے محبوب تم انہیں دیکھتے ہو۔ کہ

وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔

حالانکہ وہ نہیں دیکھتے۔"

دیکھنے میں تمہاری طرف دیکھتے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی نظریں دوسری طرف ہوتی ہیں۔ بھینگے کی نظر اسی طرز کی ہوتی ہے۔ کہ معلوم یہ ہوتا ہے۔ جیسے یہ ہماری طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ دیکھتا دوسری طرف ہوتا ہے جُملہ منکرین رسالت کا بھی یہی حال ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھتے نظر آتے ہیں اور بباطن رُخ ان کا دوسری طرف ہوتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اس دُنیا میں اکثر ناقص کامل سے زیادہ مزے لیتے ہیں۔ ایک شاعر کا یہ شعر بھی خوب ہے ؎

ہماری چشمِ اَحوَل جب لڑی زہرہ جبینوں سے
تو دگنا لطف آیا ہم کو دیگر ہم نشینوں سے

حکایت نمبر ۵۳

چار اندھے

بغداد کے بازار میں چار اندھے بھیک مانگ رہے تھے ۔ ایک اندھا عرب کا تھا۔ دوسرا ایران کا تیسرا ترکی اور چوتھا ہندی تھا ۔ایک شخص نے ان چاروں اندھوں کو ایک روپیہ دیا۔ اور کہا جاؤ۔ ایک روپیہ کی کوئی چیز لے کر چاروں آپس میں بانٹ لو۔ روپیہ لے کر چاروں مشورہ کرنے لگے ۔کہ روپیہ کا کیا خریدیں۔ ہندی بولا ۔میں تو داکھیں کھاؤں گا ۔ایرانی نے کہا. میں انگور کھاؤں گا ۔ترکی نے کہا. میں تو "روزم" منگواؤں گا ۔عربی بولا ۔میں 'عنب' کھاؤں گا ۔ داکھیں ۔ انگور روزم اور عنب چاروں نام انگور ہی کے ہیں ۔چیز ایک تھی ۔لیکن نام ہر زبان میں الگ الگ تھے۔ چنانچہ نام کے اس اختلاف سے چاروں اندھے آپس میں اُلجھ پڑے اور اپنی اپنی زبان کے مطابق ہر ایک اصرار کرنے لگا.

کہ جس چیز کا میں نے نام لیا ہے۔ میں تو وہی کھاؤں گا
حتیٰ کہ ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ اتفاقاً وہاں ایک
سمجھدار آدمی آگیا۔ اس نے اندھوں کا جھگڑا معلوم کیا۔ تو
اُن سے کہنے لگا۔ روپیہ مجھے دو۔ میں بازار سے ہر ایک
کی منشاء کے مطابق چیز لے آتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے
روپیہ اُسے دے دیا۔ اور وہ بازار سے انگور خرید لایا
اور اندھوں کے سامنے انگور رکھ دیا۔ چونکہ اپنی اپنی
زبان میں چاروں انگور ہی کے طالب تھے۔ اِس لئے
انگور پاکر چاروں خوش ہو گئے۔ کہ ہماری منشا کے
مطابق چیز مل گئی۔

سبق

جہالت کے سبب آپس میں جھگڑے پیدا ہو جاتے
ہیں۔ مقصد چاروں کا ایک ہی تھا۔ مگر جہالت کے سبب
وُہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ دانا آدمی جھگڑے
کرتے نہیں۔ بلکہ جھگڑے مٹاتے ہیں۔ دُنیا بھر کے مسلمانوں
کا دین اسلام ہے۔ اور یہی ایک چیز ہے۔ جسے ہر مسلمان

چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ زبان کے اختلاف میں پڑ جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ میں بنگالی ہوں۔ کوئی یہ کہ میں سندھی ہوں۔ کوئی یہ کہ میں پنجابی ہوں۔ کوئی کہتا ہے۔ میں بلوچی ہوں۔ اور کوئی یہ کہتا ہے۔ کہ میں سرحدی ہوں۔ ایسے لوگ ان اندھوں کی طرح ہیں۔ جو محض زبان کے اختلاف سے آپس میں اُلجھ پڑتے ہیں۔ اے کاش ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے۔ کہ یہ سب زبانی جھگڑے ہیں۔ اصل مقصود تو سب کا اسلام ہی ہے۔ ؎

مسلمانوں کی آپس میں عداوت
قیامت ہے قیامت ہے قیامت
خُدا محفوظ رکھے ہر بلا سے!
خصوصًا خانہ جنگی کی وبا سے

حکایت نمبر ۵

چار جاہل

چار جاہل کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ تو ایک گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے۔ وضو کر کے ایک نے اذان دی۔ ایک امام بن گیا۔ اور تین مقتدی بن گئے۔ جماعت ہونے لگی۔ اتنے میں مسجد کا امام آ گیا۔ اُسے علم نہ تھا۔ کہ اندر جماعت ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے وقت پر اذان دینا شروع کر دی۔ جاہلوں میں سے ایک مقتدی نماز پڑھتے ہوئے ہی بولا۔ مولوی صاحب! اذان ہو چکی ہے۔ دوبارہ نہ دیجئے۔ دوسرا مقتدی بولا۔ بیوقوف نماز پڑھتے ہوئے بولنا جائز نہیں۔ تیسرے نے جھٹ کہا۔ واہ بھئی واہ۔ دوسروں کو نصیحت کر رہے ہو۔ کہ نماز میں بولنا جائز نہیں۔ حالانکہ تم خود بھی بول رہے ہو۔ چوتھا جاہل جو امام بن کر جماعت کرا رہا تھا۔ کہنے لگا۔ الٰہی! تیرا

شکر ہے۔ کہ نماز پڑھتے ہوئے میں نہیں بولا۔ مجھے تو نے ہی ثابت قدم رکھا ہے۔

سبق

ہر شخص دُوسروں کو تو بڑی بڑی نصیحتیں کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو بھُول جاتا ہے۔ دوسروں کا عیب نظر آ جانا آسان ہے۔ مگر اپنا عیب دیکھنا مشکل ہے۔ آج بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ جمعہ کی نماز کا خطبہ ہو رہا ہے۔ اور سب خاموشی کے ساتھ سُن رہے ہیں۔ اگر کوئی بولے۔ تو ساتھ والے صاحب اُسے ارشاد فرمائیں گے۔ بھئی! خطبہ سُنتے وقت بولنا جائز نہیں۔ گویا جس عیب سے منع کرتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اُسی عیب کا ارتکاب وہ خود بھی کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ ہُوا۔ ہمارے قصبہ کے ایک صاحب راولپنڈی سے چند روز کے لئے گھر آئے۔ رہتے وہ راولپنڈی میں تھے۔ لیکن تھے وہ کوٹلی کے۔ کوٹلی میں چند روز رہ کر واپس پنڈی جانے لگے۔ تو مجھ سے بھی ملاقات کے لئے آئے۔ مجھ سے کہنے

لگے۔ مولوی صاحب! ہمارے قصبہ میں ایک دوسرے کی غیبت کرنا بہت عام ہے۔ کوئی اُسے بُرا کہتا ہے۔ اور کوئی اِسے میں نے اپنے سارے قصبہ میں غیبت کو عام پایا ہے۔ میں نے ہنس کر اُن سے کہا۔ چونکہ آپ بھی اسی قصبہ کے ہیں۔ اس لئے آپ بھی یہاں سے واپس ہوتے ہوئے سارے قصبہ کی غیبت کر کے چلے ہیں۔ اس پر وہ بھی ہنس دیئے۔ پاکستان بننے سے قبل ایک بار ایک خاکسار سے گفتگو ہوئی۔ وہ "مولویوں" پر برس رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ مولوی بُرے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے پر فتوے لگاتے اور دوسروں کو بُرا کہتے رہتے ہیں۔ میں نے اُس سے کہا۔ کہ آپ بھی تو وُہی کام کر رہے ہیں۔ جو مولوی کرتے ہیں۔ وہ بولا۔ وہ کیسے؟ میں نے کہا۔ کہ مولوی اگر ایک دوسرے کو بُرا کہتے ہیں۔ تو آپ سارے مولویوں کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ فرمائیے مولوی اگر کسی کو بُرا کہہ کر بُرے ہیں۔ تو آپ مولویوں کو بُرا کہہ کر بُرے کیوں نہیں؟ اور اگر آپ مولویوں کو بُرا کہہ کر بُرے نہیں۔ تو مولوی کسی بُرے کو بُرا کہہ کر بُرے

کیوں ہیں؟ خاکسار بولا۔

میں نے تو بُروں کو بُرا کہا ہے۔ میں نے کہا۔ مولوی بھی بُروں کو ہی بُرا کہتے ہیں۔ سہ

اور کو کرنی نصیحت کا کلام
اس سے آساں تر نہیں دُنیا میں کام
عیب اپنے دیکھنا آساں نہیں!
دیکھتے ہیں اپنے عیب اہلِ یقیں

حکایت نمبر ۵۵

ایک بوڑھا مریض

ایک بوڑھا مریض ایک حکیم کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا حکیم صاحب! مجھے دماغی تکلیف رہتی ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا۔ کہ بڑے میاں! اس کی وجہ تمہارا بڑھاپا ہے۔ اُس نے کہا۔ میری نظر بھی کمزور ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا۔ اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا۔ میری کمر میں

بھی درد رہتا ہے حکیم صاحب نے بتایا۔ اس کا باعث بھی بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا۔ کہ چورن کے بغیر میری غذا بھی ہضم نہیں ہوتی۔ حکیم صاحب نے بتایا۔ اُس کا سبب بھی بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا۔ میرے لئے چلنا پھرنا بھی مُشکل ہو گیا ہے۔ حکیم صاحب بولے۔ اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا۔ میری کمر بھی کمان کی طرح دوہری ہو گئی ہے۔ حکیم صاحب نے کہا۔ اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھا مریض جھنجلا اُٹھا۔ اور غصہ میں آ کر کہنے لگا۔ تمہیں سوا اس کے کچھ اور آتا بھی ہے یا نہیں؟ ہر بات کا ایک ہی جواب۔ بڑے حکیم بنے پھرتے ہو۔ لیکن میرے خیال میں تم بالکل جاہل اور احمق ہو۔ تم ہرگز کچھ نہیں جانتے۔

حکیم صاحب نے بوڑھے مریض کو غصے میں آتے دیکھ کر کہا۔ کہ بڑے میاں! یہ جو تم غصہ میں آ گئے ہو۔ اور مجھ پر برسنے لگے ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی بڑھاپا ہے۔ کیونکہ بڑھاپے کے باعث اعضائے رئیسہ کمزور پڑ جاتے ہیں اور

صبر و تحمل کی طاقت بھی جاتی رہتی ہے۔

سبق

مغربی تہذیب کا کوئی مریض کسی مولوی صاحب سے اگر پوچھے۔ مولوی صاحب! ملک میں بے چینی و پریشانی بہت بڑھ گئی ہے۔ تو مولوی صاحب جواب دیں گے۔ مسٹر! اس کی وجہ مغربی تہذیب ہے۔ وہ پوچھے۔ مولوی صاحب! پہلے زمانہ میں تو سو سال کے بزرگ بھی عینک کے بغیر پڑھ لکھ لیتے تھے۔ اب چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھی نظر کمزور ہو گئی۔ اور وہ عینکیں لگائے پھرتے ہیں۔ مولوی صاحب جواب دیں گے۔ مسٹر! اس کا باعث بھی مغربی تہذیب ہے۔ وہ پھر پوچھے۔ کہ مولوی صاحب! موجودہ ہوشربا گرانی نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ مولوی صاحب جواب دیں گے۔ اس کا باعث بھی مغربی تہذیب ہے۔ وہ پھر پوچھے۔ اب تو رشوت لئے بغیر غذا بھی ہضم نہیں ہوتی۔ مولوی صاحب جواب دیں گے۔ اسکا باعث بھی یہی مغربی تہذیب ہے۔ وہ پھر پوچھے۔ اب تو جیب

کتروں۔ بدمعاشوں۔ اور ٹھگوں کی کثرت کے باعث گھر سے باہر نکلنا اور چلنا پھرنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ تو مولوی صاحب جواب دیں گے۔ اس کی وجہ بھی مغربی تہذیب ہے۔ اب مسٹر غصہ میں آجاتا ہے۔ اور جھنجلا کر کہنے لگتا ہے۔ تمہیں اس کے سوا اور کچھ آتا بھی ہے یا نہیں۔ بڑے مولوی بنے پھرتے ہو۔ سوا ایک ہی بات کے اور کوئی جواب ہی نہیں آتا۔ مولوی تو ہوتے ہی جاہل اور احمق ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ کیا ہو رہا ہے۔ اور کیوں ہو رہا ہے۔ مولوی صاحب فرمائیں گے۔ مسٹر! یہ مولوی کے خلاف تمہارا جو لیکچر ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی مغربی تہذیب ہے۔ کیونکہ مغربی تہذیب کے باعث اسلامی جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اور علماء کرام کے ادب و احترام کی حس بھی جاتی رہتی ہے۔ میں نے لکھا ہے ؎

مرید ڈارون بندر تھا پہلے
یہ درسِ آدمیت کس لیئے لے
اگر منظور ہے تکمیلِ فیشن
تو اک دو گالیاں ملا کو دے لے

حکایت نمبر ۵۹

ایک بھنگی عطاروں کے بازار میں

ایک بھنگی اتفاقاً عطاروں کے بازار میں چلا گیا۔ جونہی اس کے دماغ میں طرح طرح کے عطروں کی خوشبو پہنچی غش کھا کر گر پڑا۔ عطر کی خوشبو نے اُس کا دماغ چکرا دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ مر ہی گیا ہے۔ لوگ ہر طرف سے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اُسے ہوش میں لانے کے لئے کوئی اُسے پنکھا جھلتا تھا۔ کوئی اس کے مُونہہ پر گلاب چھڑکتا تھا۔ کوئی عود کی دھونی دیتا تھا۔ اور کوئی اس کے سر اور ہتھیلیوں کو سہلاتا تھا۔ لیکن وہ کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ اِسے کیا ہُوا۔ کوئی کہتا۔ اِسے مرگی کا دورہ پڑا ہے۔ کوئی کہتا۔ اُس نے بھنگ پی لی ہے۔ ایک شخص دوڑا دوڑا گیا۔ اور اس کے بھائی کو اُس کی بے ہوشی کی اطلاع دے دی۔ اُس کا بھائی ساری حقیقت سمجھ گیا۔

اور کہیں سے کتے کی غلاظت لی۔ اور اُسے اپنی آستین
میں چھپا کر وہاں پہنچا۔ اور لوگوں سے کہا۔ ہٹ جاؤ۔
اِسے میں ہی ہوش میں لا سکتا ہوں۔ لوگ پرے سے ہٹ
گئے۔ اس نے آستین سے غلاظت نکالی اور اُسے سونگھا
دی۔ چونکہ بھنگی دن رات نجاست اور بدبو میں غرق
رہتا تھا۔ اور اس کے دماغ میں بدبو بس گئی تھی۔
اب جو عطاروں کے بازار میں آکر اس کے دماغ میں
عطر کی خوشبو پہنچی۔ تو وہ اُسکو برداشت نہ کر سکا۔ اور
بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے بھائی نے یہ نکتہ سمجھ
لیا تھا۔ کہ اس بیماری کو صرف بدبو ہی دور کر سکتی
ہے۔ چنانچہ جب بھنگی کے دماغ میں بدبو پہنچی۔ تو وہ
جھٹ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور اس کا بھائی اُسے وہاں سے
گھر لے آیا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے۔ کہ خدا جانے۔
اس کے بھائی نے کیا جادو کیا ہے۔ اور اس کے پاس
کون سی اکسیر تھی۔ جس سے وہ جھٹ ہوش میں آ گیا۔
اُنہیں کیا خبر تھی۔ کہ بھنگی کا دماغ جس بدبو کا عادی تھا۔ اس کے برعکس اُس کا۔
دماغ خوشبو کو برداشت نہ کر سکا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔

سبق

دُنیا ایک مُردار ہے۔ خُدا کو بھول کر جو لوگ ہر وقت اسی کی بدبو میں غرق رہتے ہیں۔ ان کے دماغوں میں یہ بدبو بس جاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں سے اگر کوئی بھول کر مسجد میں آجائے۔ تو وہاں ذکرِ حق اور اذان و نماز کی خوشبو کو اُس کا دماغ برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہ گویا غش کھا کر گر جاتا ہے جب تک مسجد میں رہتا ہے۔ مشکل میں پھنسا رہتا ہے۔ مسجد سے باہر نکلتے ہی پھر جو اس کے دماغ میں دُنیا کی بدبو پہنچتی ہے۔ تو وہ ہوش میں آجاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ کہ مومن مسجد میں ایسے ہوتا ہے۔ جیسے پانی میں مچھلی۔ اور منافق ایسے جیسے پنجرے میں پرندہ

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ فلمی گانوں۔ فحش گیتوں اور عُریاں غزلوں کے شیدائی ہیں۔ اُن کے دماغ قرآن کی تلاوت۔ حمد باری اور نعت رسول کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جب تک کسی ملکہ ترنم کی

آواز اُن کے کانوں میں نہ پہنچے۔ انہیں چین نہیں آتا۔ میں نے لکھا ہے۔ ؎

لگا یادِ خُدا میں دل ترا نہ
مگر گا یا کئے فلمی ترانہ

حکایت نمبر ۷۵

ایک درزی اور سپاہی

چند دوست ایک جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے باتوں ہی باتوں میں ایک درزی کی بات چل نکلی سب کہنے لگے۔ بھئی وہ بڑا ہی چالاک و عیار درزی ہے۔ کوئی لاکھ ہشیاری سے کام لے۔ لیکن وہ درزی کپڑے سے کچھ کپڑا چوری کر ہی لیتا ہے۔ اور ایسا اُستاد ہے۔ کہ پتہ بھی نہیں لگنے دیتا۔ ان میں ایک سپاہی بھی تھا۔ جسے اپنی دانائی و ہشیاری پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہنے لگا۔ رہنے دو یار کیسی باتیں کرتے ہو

وہ درزی کتنا بڑا بھی چالاک کیوں نہ ہو۔ مجھے وُہ ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا۔ لو میں شرط لگاتا ہوں کل ہی اپنے کوٹ کا کپڑا اُس کے پاس لے کر جاؤنگا۔ اور اُسے دوں گا۔ اور کہوں گا۔ کہ میرے سامنے اُس کی کٹائی کرو۔ اور میرا کوٹ تیار کرو۔ پھر دیکھوں گا۔ وہ میرے سامنے کس طرح میرے کپڑے سے کپڑا چراتا ہے۔ اگر واقعی اس نے میرے کپڑے سے کچھ کپڑا چُرا لیا۔ تو میں اپنا گھوڑا تمہیں دے دوں گا۔

یہ شرط لگا کر دوسرے دن وہ کوٹ کا کپڑا لے کر درزی کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ ماسٹر صاحب! یہ میرے کوٹ کا کپڑا لو۔ اور میرا کوٹ تیار کرو۔ میں نے تمہاری چالاکی و اُستادی کے یہاں بڑے قصّے سُنے ہیں لیکن ماسٹر صاحب! میں بھی کچھ کم نہیں ہوں۔ آپ کے داؤ میں نہیں آؤں گا۔ کپڑے کی کٹائی ابھی میرے سامنے کرو۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ قبلہ! تشریف رکھیئے۔ یہ آپ کے دل میں میرے متعلق کس نے شک ڈال دیا ہے۔ ساری عمر گذر گئی۔ یہ کام کرتے ہوئے۔ مگر

حرام ہے۔ جو ایک گرہ تک بھی کسی کا کپڑا چرایا ہو
میں جانتا ہوں۔ آپ سپاہی مرد ہیں۔ ہشیار ہیں۔ اور
بڑے دانا ہیں۔ بھلا میں آپ کے ساتھ ایسا کر ہی کیسے
سکتا ہوں۔ سپاہی نے کپڑا دیا۔ اور درزی نے اُسے کاٹنا
شروع کیا۔ سپاہی نے قینچی پہ اپنی نظریں گاڑھ دیں
درزی بڑا مسخرہ اور لطیفہ باز تھا۔ کپڑا کاٹتے وقت
درزی نے ایک ایسا لطیفہ سُنایا جس کے باعث سپاہی
کا ہنسی کے مارے بُرا حال ہو گیا۔ اتنا ہنسا۔ کہ۔
ہنستے ہوئے اُس کے پیٹ میں بل پڑنے لگے۔ اسی
عالم میں ہنستے ہوئے ذرا آگے کی طرف جھکا۔ تو
درزی نے جھٹ ایک گرہ کپڑا کاٹ لیا۔ سپاہی سیدھا
ہُوا۔ تو کہنے لگا۔ ماسٹر صاحب! بڑا مزے دار لطیفہ
سُنایا۔ ایک اور سُناؤ۔ درزی نے ایک اور لطیفہ پہلے
لطیفہ سے بھی زیادہ ہنسانے والا سنا دیا۔ سپاہی پھر
ہنسا۔ اور اتنا کہ ہنستے ہنستے اس کا سر زمین پر جا لگا
درزی نے موقعہ پاکر کچھ کپڑا اور کاٹ لیا۔ سپاہی ہنستے
ہنستے جب ذرا سنبھلا۔ اور سر اُٹھایا۔ تو کہنے لگا۔ ماسٹر

صاحب! ایک لطیفہ اور بھی۔ درزی نے کہا ۔ میاں سپاہی! ایک لطیفہ اور بھی سنا تو دوں۔ مگر پھر تمہارا کوٹ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔

سبق

شیطان بڑا مکّار و عیّار اور چالاک ہے۔ اِسے دنیوی شہوتوں کے ہزاروں لطیفے اور چٹکلے یاد ہیں۔ یہ ان لطیفوں اور چٹکلوں میں انسان کو اُلجھا کر انسان کو اپنے ایمان سے غافل کر کے اپنی شیطانی قینچی سے اس کا ایمان کاٹ لیتا ہے۔ انسان کو اپنے زہد و تقویٰ پر ناز کر کے کبھی شیطان کا سامنا نہیں کرنا چاہیئے یعنی اس کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے۔ ورنہ اس کی باتیں دنیوی خواہشات و لذات میں منہمک کر کے اُسے موقعہ مہیا کر دیتی ہیں۔ کہ وہ موقعہ پا کر انسان کا زہد و تقویٰ سب برباد کر دے۔ ؎

ہے بڑا چالاک شیطان لعیں
اسکے دھوکے میں کبھی آنا نہیں

حکایت نمبر ۵۸
ایک گِل خوار

ایک آدمی گِل خوار تھا۔ یعنی اُسے مٹی کھانے کی بڑی عادت تھی اُسے ایک روز شکر کی ضرورت پڑی۔ شکر کی دکان پر پہنچا۔ تو اس نے کہا۔ جناب! شکر تو میرے پاس ہر قسم کی ہے۔ لیکن باٹ میرے پاس مٹی کے ہیں لوہے کے نہیں۔ گِل خوار نے کہا۔ جناب مجھے شکر چاہیئے باٹ لوہے کے ہوں یا مٹی کے مجھے اس سے کیا؟ اور دل میں خوش ہُوا۔ کہ مٹی کھانے کو یہاں بھی مل گئی موقعہ ملا۔ تو اس کے باٹ چکھوں گا۔ چنانچہ دکاندار نے ترازو کے ایک پلہ میں باٹ رکھے۔ اور شکر لانے کے لئے اندر گیا۔ تو گِل خوار نے موقعہ پاکر ایک باٹ کو اُٹھایا اور دانتوں سے اس کی کچھ مٹی کتر کر کھا لی۔ لطف آیا۔ تو دوسرے باٹ سے کچھ مٹی توڑ کر جیب میں بھی ڈال لی۔ دکاندار نے اس کی یہ حرکت

دیکھ لی۔ اور دل میں کہا۔ خوب کھا۔ میرا کیا نقصان نقصان تو تیرا ہی ہوگا۔ کہ اتنی شکر تمہیں کم ملے گی۔ چنانچہ انہی باٹوں سے شکر تولی گئی۔ گِل خوار بڑا خوش خوش گھر لوٹا۔ وہ سمجھا۔ کہ شکر بھی پوری لے آیا ہوں۔ اور اس کے باٹ کی کچھ مٹی کھا بھی آیا ہوں کچھ لے بھی آیا ہوں۔

سبق

خائن اور چور سمجھتا تو یہ ہے۔ کہ میں نے بڑا کمال کیا۔ پرایا مال اُٹھا لیا۔ لیکن یہ خبر نہیں ہوتی اور یہ نہیں سمجھتا۔ کہ یہ نقصان میں اپنا ہی کر کے آیا ہوں۔ خَسِرَ الدُّنیا والآخِرۃ کا مصداق بن کر وُہ اپنی دُنیا اور دین بھی برباد کر کے واپس آتا ہے دُنیا تو اس طرح کہ مٹی کھا اور چرا کر باٹ ہلکے کر دیئے۔ جس کے باعث اُسے شکر کم ملی۔ اور دین اس طرح کہ پرائے باٹ کھا اور چرا کر چور بنا۔ اور مٹی کھا کر جس کا کھانا حرام ہے۔ حرام خور بنا۔ معلوم

ہُوا۔ کہ کسی بھائی کا نقصان کرنا۔ اپنی جان پر ظلم کرنا ہے چور۔ خائن۔ ڈاکو وغیرہ وَلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْن۔ کے مطابق یہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ تو پہلے زمانہ کی بات ہے۔ اب تو گاہکوں کی سہولت کے لیئے دکانداروں نے اپنے باٹ خود ہی کم وزن کے رکھ چھوڑے ہیں۔ تاکہ گاہک کو توڑنے اور کھانے کی تکلیف ہی نہ کرنا پڑے۔ ادھر دکانداروں نے اپنا یہ فن پیش کیا۔ اُدھر ترقی یافتہ گاہکوں نے یہ فن پیدا کر لیا۔ کہ سودا لو اور پیسے کھا جاؤ۔ چنانچہ ایک ایسا ہی ترقی یافتہ گاہک مٹھائی کی دکان پر گیا۔ اور برفی کا بھاؤ پوچھا۔ دکاندار نے پانچ رپے سیر بتایا۔ کہا۔ سیر بھر برفی تول دو۔ دکاندار نے سیر برفی تولی۔ اور ڈبہ میں بند کر کے دی۔ گاہک نے ڈبہ پکڑ کر پوچھا گلاب جامن کا کیا بھاؤ ہے؟ دکاندار نے بتایا۔ یہ بھی پانچ رپے سیر ہیں۔ گاہک نے برفی کا ڈبہ لوٹا کر کہا۔ تم یہ برفی رکھ لو۔ اور سیر بھر گلاب جامن دے دو۔ دکاندار نے برفی لے لی۔ اور سیر بھر گلاب جامن ڈبے میں بند کر کے دے دیئے۔ ترقی یافتہ گاہک ڈبہ لے کر چل پڑا۔ دکاندار

نے کہا۔ بابو جی! پیسے تو دیتے جائیے۔ گاہک بولا۔ پیسے کس کے؟ وہ بولا گلاب جامنوں کے۔ گاہک بولا۔ بھلے آدمی گلاب جامن تو میں نے برفی کے بدلے لئے ہیں۔ دکاندار نے کہا۔ اچھا تو برفی کے پیسے ہی دے دو۔ ترقی یافتہ گاہک بولا۔ برفی کا ڈبہ تو میں نے واپس کر دیا ہے۔ پھر پیسے کیسے؟ یہ کہا۔ اور چلتا بنا۔ دیکھا آپ نے ترقی یافتہ دور کا کمال۔ پہلے لوگ اگر گل خوار تھے۔ تو آجکل کے لوگ کل خوار ہیں۔ سہ

کیسے کیسے آجکل عیار ہیں!
وہ جو تھے گل خوار یہ کل خوار ہیں

حکایت نمبر ۹۵

مگرمچھ کے آنسو

ایک کاروان کا پاسبان رات کو سو گیا۔ چور آئے اور اہل قافلہ کا تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔ دن

ہُوا تو قافلہ والے بیدار ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اُونٹ، گھوڑے اور ساز و سامان غائب ہے۔ چوکیدار زور زور سے رو رہا تھا۔ وہ آنکھیں نکال نکال کر ہوا میں چابک چلا رہا تھا۔ لوگوں نے مال و متاع کے بارے میں پوچھا تو چوکیدار نے کہا کہ رات کو چور آئے تھے۔ وہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تم اس وقت کہاں تھے؟ چوکیدار بولا کہ میں اکیلا تھا۔ وہ تعداد میں زیادہ تھے۔ اور سب کے سب مسلح تھے۔ میں اکیلا اُن کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ انہوں نے کہا کہ تم نے ہمیں کیوں نہ جگایا؟ اُس نے کہا کہ وہ مجھ کو تلواریں دکھا کر کہنے لگے کہ اگر آواز نکالی تو تمہیں قتل کر دیں گے۔ قافلہ والوں نے غصہ میں آکر کہا کہ مٹی کے مادھو! اب کیوں رو رہے ہو؟ اور ہوا میں چابک کیوں چلا رہے ہو۔ چوکیدار نے جواب دیا کہ مال کے غم میں رو رہا ہوں اور ہوا میں چابک اس لئے چلا رہا ہوں کہ چوروں پر کچھ تو بھڑاس نکال لوں۔ اور ان چوروں کو کچھ تو پتہ چلے۔ کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ دلیر و شیر اور بہادر ہوں۔

سبق

ریگ زارِ کربلا میں متاعِ اہلِ بیت لُٹ رہی تھی اور شیعانِ علی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ پھر جب سب کچھ لُٹ گیا۔ تو کوفہ کے بازاروں میں روتے پیٹتے نکل آئے۔ وہ ہوا میں مُکّے لہرا کر یزید کے خلاف دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔ بھلا اس گریہ و زاری سے اہلِ بیت کے زخم مندمل ہو سکتے تھے؟ مزا تو جب تھا۔ کہ اپنی جان پر کھیل کر اہلِ کوفہ، حقوقِ اہلِ بیت کا تحفّظ کرتے۔ وہ تو ان سے نہ ہو سکا۔ البتّہ آنسوؤں کا سیلاب ہے۔ جو بہائے جا رہے ہیں۔ لیکن بعد کا رونا کس کام کا؟ دانائے روم فرماتے ہیں ؎

چشم کوران آں خسارت را بدید
گوش کرّای ایں حکایت ہا شنید
خفتہ بود ستید تا اکنوں شما!
تاکنوں جامہ دریدید از عزا

پس عزا بر خود کنید اے خفتگان!
زاں کہ بد مرگیست ایں خواب گراں
روح سلطانے ز زندانے بجست
جامہ چوں دریم و چوں خائیم دست

(۱) اندھوں نے وہ خواریاں دیکھ لیں — بہروں نے مصائب اہلِ بیت کی کہانیاں سُن لیں۔

(۲) کیا تم ابھی تک سوئے پڑے تھے۔ اب صدمے میں کپڑے پھاڑ رہے ہو۔

(۳) پس اے سونے والو! اپنا ماتم کرو۔ کیونکہ یہ خواب غفلت ہی بری موت ہے۔

(۴) سُلطان (امام حسینؑ) کی روح تو قید خانہ سے آزاد ہو گئی۔ ہم سوگ کیوں کریں؟ اور کپڑے کیوں پھاڑیں؟ ؎

جو مصیبت بھی پڑے تو صبر کر!
صبر کرکے حاصل اسکا اجر کر

حکایت نمبر ۶۰

عبادت یا شقاوت

ایک بادشاہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ چاروں طرف نقیب اور باڈی گارڈ تھے۔ جو بادشاہ کیلئے راستہ صاف کرتے چلے جا رہے تھے۔ اور زور زور سے پکار رہے تھے۔ با ادب با ملاحظہ ہوشیار! شہنشاہ عالم کی سواری آ رہی ہے۔ چوب زن چاروں طرف چابک لہرا رہے تھے۔ کسی کو سر پر چابک پڑتی تو کسی کی کمر پر۔ لوگ گھبرا کر ادھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ ایک مردِ قلندر سڑک کے کنارے پر کھڑا عوام کی افراتفری کا منظر دیکھ رہا تھا۔ بادشاہ کی سواری قریب آئی تو اس نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے ظالم! تو جامع مسجد میں نیکی کے ارادہ سے جا رہا ہے۔ اور حالت یہ ہے۔ کہ لوگ چابک کھا کھا کر زخمی ہو رہے ہیں۔ جب تو ظلم کا ارادہ کرتا ہو گا۔ تو اس

وقت تیرے شہر کا کیا عالم ہوتا ہوگا؟

سبق

نماز پڑھنا ضروری عبادت ہے۔ اور حقوق اللہ میں سے ہے۔ اور مخلوقِ خدا سے اچھا سلوک کرنا اور انہیں نہ ستانا بھی عبادت ہے۔ اور یہ حقوق العباد میں سے ہے خدا تعالےٰ نے حقوق العباد کو مقدم رکھا ہے۔ جو شخص نماز تو پڑھتا ہے۔ لیکن خدا کی مخلوق کو ستاتا ہے۔ وہ بہت بڑا مجرم ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ حقوق اللہ کو ادا کرنے والا اور حقوق العباد کا خیال نہ رکھنے والا اگر مجرم ہے۔ تو جو شخص حقوق اللہ کی بھی پروا نہیں کرتا۔ وہ حقوق العباد کی پرواہ کب کرے گا؟ اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے۔ کہ بے نماز آدمی کو قرض نہ دو۔ کیونکہ جب وہ خدا کا فرض ادا نہیں کرتا وہ تمہارا قرض کب ادا کرے گا۔ معلوم ہوا۔ کہ بعض حاکم نماز بھی اپنے پروپیگنڈے کے لئے پڑھتے ہیں اور شاہی غرور کے ساتھ مسجد میں جاتے ہیں حالاں کہ مسجد وہ جگہ ہے۔ جہاں ر

ے

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

حکایت نمبر ۱۶

سوال گندم جواب چنا

ایک بوڑھا ایک سنار کے پاس آیا اور بولا
"بھئی سنار! میں سونا تولنا چاہتا ہوں۔ ذرا ترازو تو دینا۔"

میرے پاس جھاڑو نہیں ہے۔" سنار نے جواب دیا۔ تو وہ شخص بولا۔

"عجیب مذاق ہے؛ میں ترازو مانگ رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ میرے پاس جھاڑو نہیں ہے۔"

"میرے پاس چھلنی بھی نہیں ہے۔" سنار نے جوابدیا اب تو وہ شخص غصّے میں آ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ تم اگر ترازو نہیں دینا چاہتے تھے۔ تو صاف انکار کر دیتے۔

یہ مناسب تھا۔ لیکن لا یعنی جواب دے کر تم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ سنار نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا ".بخدا میں نے آپ کے ساتھ مذاق ہرگز نہیں کیا میں نے دیکھا کہ بڑھاپے کے باعث آپ کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ اور میں نے سوچا کہ آپ سونا تولیں گے۔ تو یقیناً کچھ ذرات نیچے گر جائیں گے۔ پھر آپ مجھ سے جھاڑو طلب کرینگے تاکہ مٹی کو جمع کیا جائے۔ اس کے بعد آپ کو چھلنی کی ضرورت پڑے گی۔ تاکہ مٹی سے سونا ڈھونڈا جائے۔ ترازو گو موجود ہے۔ لیکن جھاڑو اور چھلنی میرے پاس نہیں ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ سونا تولنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ اس خدمت کے لیئے میں حاضر ہوں!"

سبق

معلوم ہوا کہ آغاز سے پہلے انجام کو سوچ لینا چاہیئے جو لوگ پایانِ کار پر نظر نہیں رکھتے۔ خسارے میں رہتے

ہیں۔ دانائے روم فرماتے ہیں۔ ؎

ہر کہ اول بیں بود اعمیٰ بود
ہر کہ آخر بیں بود بینا بود
ہر کہ اوّل بنگرد پایانِ کار
اندر آخر او نگردد شرمسار
حکم چوں بر عاقبت اندیشی است
بادشاہی بندۂ درویشی است

یعنی جو صرف آغاز پر نظر رکھے، اندھا ہے اور جو انجام کو پہلے سوچ لے وہ بینا ہے۔ جو شخص پایانِ کار کو پہلے سوچ لیتا ہے۔ انجامِ کار اسے شرمندہ نہیں ہونا پڑتا۔ چونکہ عاقبت اندیشی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے بادشاہی درویشی کی کنیز ہے عاقل اور جاہل میں فرق یہ ہے۔ کہ عاقل کی نظر انجام پر ہوتی اور جاہل کی صرف آغاز پر ؎

راست فرمود است باما مصطفےٰ
قطب و شاہنشاہ و دریائے صفا
کاں چہ جاہل دید خواہد عاقبت
عاقلاں بینند اوّل مرتبت!

یعنی قطب زماں، شہنشاہ کون و مکاں دریائے صفا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے بجا فرمایا ہے۔ کہ جس چیز کو جاہل آخر میں دیکھتے ہیں۔ عاقل اُسے پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں۔ سہ

کام سے پہلے ہے لازم سوچنا!
یہ کہ ہے اس کام کا انجام کیا

حکایت نمبر ۶۲

عاشق ناپختہ کار

ایک عاشق اپنے محبوب کے فراق میں برسوں تڑپتا رہا وہ سخاوت کرتا، نذریں مانتا اور دعائیں مانگتا رہتا تھا کہ کسی طرح میرا محبوب مجھے مل جائے۔ ایک دن اُس کے مقدّر کا ستارہ چمکا۔ اس کے محبوب نے پیغام بھیجا۔ کہ فلاں رات فلاں کمرہ میں میرا انتظار کرنا۔ میں آدھی رات کے بعد آؤں گا۔ عاشق نے اس رات گھی کے چراغ جلائے

کمرہ کو خوشبویات و عطریات سے معطر کر دیا۔ محبوب کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک وہ جاگتا رہا لیکن اس کے بعد عاشق کو نیند نے آلیا اور وہ سو گیا ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ اس کا محبوب وعدہ کے مطابق آگیا۔ محبوب نے جب عاشق میاں کو دیکھا کہ وہ سو رہا ہے۔ تو محبوب کہنے لگا۔ کہ یہ اہلِ عشق میں سے ہرگز نہیں۔ دیدۂ مشتاق سے تو نیند دور رہتی ہے۔ اس نے اپنی جیب سے چند اخروٹ نکالے اور عاشق کاذب کی جیب میں ڈال دیئے۔ اور یہ کہتا ہوا کمرہ سے باہر چلا گیا کہ ابھی تم بچے ہو عشق کے قابل نہیں۔ اخروٹ کھیلا کرو۔

سبق

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ
حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُوْلُ مَنْ
يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبُ لَهٗ مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهٗ

یعنی اللہ تعالےٰ ہر رات کے آخری -
حصہ میں آسمان دینا پر نزول فرما کر
سُناتا ہے۔ مجھ سے جو دُعا مانگو میں
قبول کروں گا اور جو مانگو دونگا۔

گویا خدا اپنے بندے سے رات کو ملنے کا وعدہ فرماتا ہے ۔لیکن آجکل کا مسلمان ساری رات سوتا ہے اگر جاگتا ہے۔ تو رات کے پہلے حصہ میں سینما و کلب میں جاکر ۔اور محبوبِ حقیقی خدا تعالےٰ کے ملنے کے وقت خوب گہری نیند سو جاتا ہے۔ موذن اگر اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کی آواز سے جگانا بھی چاہے ۔تو نہیں جاگتا۔ ایسے بدنصیب اور جھوٹے عاشق کو خُدا سویا دیکھ کر یہی فیصلہ فرماتا ہے ۔کہ یہ جھوٹا عاشق ہے ۔اور اس کے دل میں کرکٹ وہیج کی محبت ڈال دیتا ہے۔ کہ ابھی تم میرے عشق کے قابل نہیں ۔کرکٹ کھیلا کرو۔ اور کمنٹری سُنا کرو۔میں نے لکھا ہے۔ ؎

رات دن ہیں مائل لہو ولعب
دن کٹا شطرنج میں تھیٹر میں شب

حکایت نمبر ۶۳
عقل مند اور گنوار

ایک پڑھے لکھے کو اپنی عقل پر بڑا ناز تھا۔ لیکن تھا نہایت خستہ حال۔ نہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا کپڑے پھٹے پرانے۔ اور دو دو دن بھوکا رہتا تھا۔ ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک گنوار اُونٹ پر سوار نظر آیا۔ جس نے دو بوریاں اونٹ کے دائیں بائیں لاد رکھی تھیں۔ عقل مند نے اس سے پوچھا۔ بھئی! ان بوریوں میں کیا بھر رکھا ہے؟ اُس نے بتایا۔ ایک بوری میں گندم ہے۔ دوسری بوری میں ریت۔ عقل مند نے پوچھا۔ ریت بھری بوری کا کیا فائدہ؟ وہ بولا یہ صرف گندم کی بوری کا توازن قائم رکھنے کے لئے ہے تاکہ دونوں طرف وزن برابر رہے۔ عقل مند نے کہا۔ میں تمہیں ایک تجویز بتاتا ہوں جس سے بوجھ ہلکا ہو جائیگا اور وہ تجویز یہ ہے۔ کہ ریت کی بوری خالی کر کے ریت

پھینک دو۔ اور گندم کی بوری سے آدھی گندم نکال کر اس بوری میں بھر لو۔ گنوار اس کا منہ تکنے لگا۔ اور سوچنے لگا۔ بات تو اس نے بڑی عقل کی ہے۔ لیکن خود بڑا خستہ حال ہے۔ اسکا سبب کیا ہے؟ پوچھنے لگا۔ واقعی تم بڑے عقل مند ہو۔ میرے خیال میں تم بادشاہ کے وزیر ہو گے۔ اور تمہارے پاس کافی دولت ہو گی۔ وہ بولا۔ میرے پاس تو ایک کوڑی بھی نہیں۔ اور میں وزیر بھی نہیں ہوں۔ مفلس و قلاش اور بیکار ہوں۔ گنوار نے اس کی بات سن کر کہا۔ تو جناب آپ اپنی عقل اپنے پاس رکھیں۔ جو آپ کو در بدر پھرا رہی اور بھوکا مار رہی ہے۔ میں ان پڑھ اور گنوار ہی اچھا جو اونٹ پر سوار اور غلہ کا مالک ہوں۔

سبق

آجکل کے پڑھے لکھے دانشور اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں۔ لیکن دین و عاقبت کے لحاظ سے نہایت خستہ حال ہیں۔ نہ سر پر خوف خدا کی ٹوپی۔ نہ پاؤں میں اللہ

کی راہ پر گامزن ہونے کے جذبہ کا ہوتا۔ لباس تقویٰ پھٹا پرانا بلکہ اس لباس سے بالکل ہی ننگے۔ ذکر خدا جو غذائے رُوح ہے۔ اس سے روح ان کی بالکل بھوکی ایسے دانشور عام مسلمانوں کو گنوار سمجھ کر اُنہیں ترقی کی تجویزیں بتاتے ہیں۔ عام مسلمانوں میں مان لیا کہ اُن کی سی دانشوری نہیں۔ اور وہ سائنس کی باریکیاں نہیں جانتے۔ لیکن اُن کا اِن دانشوروں کو یہی جواب ہے۔ کہ جناب آپ اپنی یہ ملحدانہ دانشوری اپنے پاس ہی رکھیں۔ ہم ان پڑھ اور گنوار ہی اچھے۔ جو دین و مذہب پر قائم اور اللہ کے ذاکر تو ہیں۔

حکایت نمبر ۲۰۴
نحوی اور ملّاح

ایک پڑھا لکھا آدمی کشتی پر سوار ہُوا۔ کشتی جب چلی۔ تو ملّاح سے پوچھنے لگا۔ میاں ملاح! کیا تم نے

کچھ صرف نحو بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ ملّاح نے جواب دیا۔ نہیں جناب! میں نے پڑھا تو کچھ بھی نہیں۔ بس یہی ہنر سیکھا ہے۔ کہ کشتی کو تیرا کر لوگوں کو اِس کنارے اُس کنارے اور اُس کنارے سے اس کنارے پار لگا دیتا ہوں۔ نحوی نے کہا۔ تم نے اپنی آدھی عمر برباد کر دی۔ ملاح سُن کر خاموش ہو گیا۔ اتفاقاً دریا کے وسط میں آکر کشتی بھنور میں پھنس گئی اور اُلٹ گئی۔ ملّاح نے پوچھا۔ کیوں جناب! آپ نے کبھی تیرنے کا ہنر بھی سیکھا تھا؟ نحوی نے کہا۔ نہیں! پڑھنے سے فرصت ہی نہیں ملی تھی۔ ملّاح نے کہا۔ تو سُن لیجئے جناب! میری تو آدھی عمر برباد ہوئی تھی۔ آپ کی ساری عمر برباد ہو گئی۔

سبق

پڑھنے کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی سیکھنا چاہیئے۔ آجکل دشمن کے مقابلہ کے لئے فنونِ حرب اور شہری دفاع کے قواعد بھی سیکھنے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ پڑھ لکھ

کر تیتیش کے پتلے بن گئے۔ مردانہ اوصاف سے عاری ہو کر ناز و نزاکت دکھانے لگے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہاں علم حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ وہاں فنون حرب سیکھنے کا بھی ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن افسوس آج کل کی برائے نام تعلیم نے مرد غازی کو کھلاڑی بنا کر رکھ دیا۔ تلوار چھین کر اُسے ہاکی تھما دی۔ اگر زندہ رہنا ہے۔ تو پڑھو بھی اور جذبہ جہاد میں مجاہدانہ ہُنر بھی سیکھو۔

مقامی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دُنیا رزمگاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

حکایت نمبر ۱۰۵

مرد آخر بیں

کسی ملک میں یہ دستور تھا کہ ایک معینہ مدت کے

لئے بادشاہ کا تقرر کیا جاتا۔ مدتِ بادشاہت پوری ہو جانے کے بعد بادشاہ کو کسی ویران جزیرے میں بھیج دیا جاتا۔ جہاں کھانے پینے کے لئے نہ کوئی چیز ہوتی تھی اور نہ سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ۔ اس جزیرے کا پانی اتنا کڑوا تھا۔ کہ حلق سے نیچے نہ اترتا تھا۔ الغرض بادشاہ اس جزیرے میں چند دنوں کے اندر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوکا پیاسا مر جاتا تھا۔

بادشاہ کو موت کے حوالے کر کے، ارکانِ سلطنت نے بادشاہ کا تقرر اس طرح کرتے کہ شہر کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے۔ جو شخص سب سے پہلے انہیں نظر آ جاتا۔ اُسے اپنا بادشاہ بنا لیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک بادشاہ کو جزیرے کی نذر کر کے آئے۔ اور دوسرے دن دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک غریب شخص نمودار ہوا۔ اُنہوں نے اجنبی کو پکڑا اور تخت پر بٹھا دیا۔ وہ بہت گھبرایا۔ کہ کچھ مدت کے بعد اُسے بھی ویران جزیرہ میں موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ دن رات یہی سوچتا رہا۔ کہ کسی نہ کسی طرح میں جزیرہ کی سزا سے محفوظ رہوں

آخر اُسے ایک تدبیر سوجھی۔ جس پر اُس نے فوراً عمل کیا اُس نے حکم دے دیا۔ کہ موجودہ دارالخلافہ کی بجائے اس ویران جزیرہ کو دارالخلافہ بنا دیا جائے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ نے ویران جزیرہ کو آباد کر دیا۔ وہاں باغات لگوائے، نہریں کھدائیں، مکانات تعمیر کرائے جب پورا شہر بن گیا۔ تو اس نے پایۂ تخت کو وہاں منتقل کر دیا۔ اب اُسے جزیرے کی سزا کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ وہاں زندگی کی تمام سہولتیں میسر آچکی تھیں

سبق

انسان کو اس جہاں میں ایک معینہ مدت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مدتِ عمر ختم ہو جانے کے بعد اسے دوسرے جہان بھیج دیا جائے گا۔ جہاں کا منظر بڑا ہولناک ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً

(پھر فرمایا) يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى

يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا

وَيُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ - (پھر فرمایا)
تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى -
تَكُوْنَ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ - (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۴)

قیامت کے دن لوگ پسینہ بہائیں
گے - یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین
میں ستر گز تک پہنچ جائے گا - اور
ان کا پسینہ ان کے مونہوں تک لگام
کی طرح پہنچ جائے گا اور پھر کانوں
تک جا پہنچے گا - اور سورج مخلوق
کے نزدیک کر دیا جائے گا - یہاں تک
کہ ایک میل تک دور رہ جائے -
اس کی گرمی سے بعض لوگوں کا پسینہ
ان کے ٹخنوں تک بعضوں کے گھٹنوں
تک بعضوں کی کمروں تک اور بعضوں
کا مونہوں تک پہنچ جائے گا۔"

یعنی اگلے جہان میں نہ کوئی سر چھپانے کی جگہ ہوگی
اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز - اور گرمی سے نچنے کے

لئے نہ کوئی سایہ ہوگا عجیب ہولناک منظر ہوگا۔ اُس جہان کو آباد کرنے کے لئے ہمیں اس جہاں میں ایسی کوشش کرنی چاہیئے جس سے ہم اُس جہان کی سزا سے بچ سکیں ہمیں چاہیئے۔ کہ اگلے جہان میں ہم اپنے لئے باغات۔ لگوائیں۔ نہریں کھدوائیں۔ اور اس جہان کو اپنے لئے جنّت بنالیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ہر شخص دیکھے کہ اُس نے اگلے جہان کے لئے کیا بھیجا۔ اور فرمایا۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا۔ (پ ۲۹ ع ۱۴)

اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے۔ اُسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے ثواب کی پاؤ گے۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جسے جنّت میں اپنے لئے گھر بنانا ہو۔ وہ یہاں تعمیرِ مسجد میں حصہ لے۔ گویا دوسرا جہاں آباد کرنے کے لئے اس جہان

میں جان و مال کی قربانی دے کر صدقات و خیرات اور زکوٰۃ ادا کر کے مسلمان اپنے اگلے جہان میں اپنے لئے گھر اور باغات بنوا سکتے ہیں اور نہریں جاری کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

جو اُن (رسول) کے ساتھ ایمان لائے۔ انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ اُنہیں کے لئے بھلائیاں ہیں۔ اور یہی مراد کو پہنچے۔ اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی مراد ملتی ہے۔ (پ ۱۰ ع ۱۷)

معلوم ہُوا۔ کہ جو دانا لوگ اس اپنی عمر میں نیک کام کرتے ہیں۔ وہ اپنی عاقبت کو بہتر بنا لیتے ہیں اور اگلا جہان اُن کے لئے ویران جزیرے کی طرح ہولناک نہیں رہتا۔ بلکہ ایک ایسا لافانی شہر بن جاتا ہے۔ جس میں ہر پسندیدہ چیز مل سکتی ہے ؎

چھوڑ غفلت اور خدا کو یاد کر
ذکرِ حق سے عاقبت آباد کر!

حکایت نمبر ۱۴۱

ظاہر و باطن

ایک شخص بہت بڑی پگڑی پہنے، شہر کے بارونق بازار سے گذر رہا تھا۔ پگڑی پر ایک چور کی نظر پڑ گئی۔ چور کا دل للچا اُٹھا۔ سوچنے لگا۔ پگڑی کیا ہے۔ ململ کا پورا تھان ہے۔ اُسے چُرا لوں۔ تو پورے خاندان کے لئے قمیضیں بن جائیں گی۔ چور پگڑی اُڑا لے

کے پیچھے چلنے لگا۔ ہجوم زیادہ ہُوا۔ تو چور نے اس کے سر سے پگڑی اچک لی اور پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ پگڑی والے نے مسکرا کر بلند آواز سے چور کو آواز دی۔

"میاں چور! بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ میں نے تمہیں پگڑی بخش دی۔ لیکن ٹھہرو! پگڑی کے ظاہر پہ نہ جانا! اسے ذرا کھول کر تو دیکھو!" چور بہت دور جا چکا تھا۔ لیکن اس نے مالک کی آواز کو سن لیا۔ ایک گلی کے اندر جا کر اُس نے پگڑی کو کھولا۔ تو حیران رہ گیا۔ صرف ایک گز کپڑے کے دو تین پیچ تھے۔ اندر گھاس اور چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔

سبق

آجکل مسلمان کا بھی یہی حال ہے۔ کہ بظاہر کلمہ شریف کی پگڑی پہنے ہوئے ہے۔ اور نام سے نظر آتا ہے۔ کہ یہ مسلمان ہے۔ لیکن اس کا باطن کھول کر دیکھئے۔ تو وہی غیر شرعی رسوم کی گھاس اور فسق و فجور کے چیتھڑے اندر بھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ ایسے مسلمان کے لئے مولانا رومی ہی

نے لکھا ہے کہ ؎

از بروں طعنہ زنی بر بایزید!
وز درونت ننگ می دارد یزید
ہمچو گورِ کافراں پر دُود و نار
وز بروں بر بستہ صد نقش و نگار
ہمچو مالِ ظالماں بیروں جمال
وز درونش خونِ مظلوم و وبال!
چوں منافق از بروں صوم و صلوٰۃ
وز دروں خاکِ سیاہ و بے ثبات
ہمچو ابرِ بے نم، پُر قسّر و قرِ!
نے دراں نفعِ زمین نے قوتِ بر

(۱) ظاہر سے تم ایسے ہو کہ بایزید رحمتہ اللہ علیہ بسطامی پر بھی طعنہ زنی کرتے ہو۔ لیکن باطن سے ایسے ہو کہ یزید کو بھی شرم آ جاتی ہے۔

(۲) کافروں کی ان قبروں کی طرح جن پر بڑے نقش و نگار ہوتے ہیں۔ لیکن قبر کے اندر نارِ جہنّم کا دھواں اور تاریکی ہوتی ہے۔

(۳) ظالم کے اس مال کی طرح، جس کا بیرونی تو۔
بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔ لیکن اندر مظلوم کا
خون اور وبال ہوتا ہے۔

(۴) منافق کی طرح، ظاہراً صوم وصلوٰۃ اور۔
باطناً تاریک اور بے ثبات۔

(۵) اس گرجنے والے بادل کی طرح، جو بے نم
ہوتا ہے، اس میں نہ تو زمین کے لئے نفع
ہوتا ہے۔ اور نہ ہی پھل کے لئے غذا۔

اور میں نے لکھا ہے۔ ؎

آج کل کے ہیں مسلماں ماڈرن
ظاہراً مسلم ہیں۔ ملحد باطناً

حکایت نمبر ۶

ماڈرن مسلمان

ایک شریف آدمی کو شہر میں اچھے مکان کی تلاش تھی۔

وہ چاہتا تھا۔ کہ مکان کھلا بھی ہو۔ دو چار کمرے بھی ہوں۔ باورچی خانہ بھی ہو۔ اور اس میں پانی بھی ہو۔ گویا صحیح معنوں میں رہنے کے قابل مکان ہو۔ اُسے ایک دوست مل گیا۔ اُس نے دوست سے کہا کہ تم اس شہر کے رہنے والے ہو کوئی اچھا سا مکان ہو۔ تو مجھے لے دو۔ وہ بولا۔ واہ صاحب واہ! یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ میرے پڑوس ہی میں ایک بڑا اچھا مکان موجود ہے۔ اگرچہ وہ ویران و خراب ہو چکا ہے۔ لیکن ہے لاجواب۔ اس کی خوبیاں تمہیں بتاؤں۔ اس کا صحن بڑا وسیع ہے۔ چاروں طرف سے ہوا آتی ہے۔ اگر اس کے بڑے کمرے اور دالان کی دیواریں گر نہ پڑی ہوتیں۔ اور ان پر چھت ہوتی۔ اگر اس کا باورچی خانہ آگ لگ جانے سے جل کر تباہ نہ ہو گیا ہوتا۔ اگر اس کی ڈیوڑھی کا شہتیر ٹوٹ کر گر نہ گیا ہوتا۔ اور اگر اس کا بیرونی گیٹ چور اکھاڑ کر نہ لے گئے ہوتے۔ اگر اس کی بیٹھک سلامت رہ گئی ہوتی۔ اور اگر اس میں پانی بھی ہوتا۔ تو اس سے بڑھ کر شہر میں اور کوئی اچھا مکان نہ مل سکتا تھا۔ مکان کے متلاشی نے یہ اگر مگر کی تکرار سن کر کہا۔ شکر ہے۔ کہ اگر

آپ مجھے مل نہ جاتے۔ اور اگر میں نے آپ سے کسی اچھے مکان کا پوچھا نہ ہوتا۔ تو ایسا اچھا مکان مجھے کون بتاتا؟

سبق

آجکل کسی اچھے مسلمان کی تلاش ہو۔ تو ماڈرن مسلمان موجود ہے۔ اگرچہ اسلامی وضع قطع ویران و برباد ہو چکی ہے۔ لیکن ہے لاجواب۔ اس کی خوبیاں سناؤں۔ اس کا دماغ بڑا وسیع ہے۔ چاروں طرف سے اس میں مغربی ہوا آتی رہتی ہے۔ اگر اس کے منہ پر داڑھی ہوتی۔ اگر اس کے اسلام کی دیواریں گر نہ پڑی ہوتیں۔ اگر ان پر نماز و روزہ کی چھت ہوتی، اگر اس کی اسلامی حرارت کی تار جل نہ گئی ہوتی اگر اس کے ایمان کا شہتیر ٹوٹ کر گر نہ گیا ہوتا، اگر اس کی ظاہر شکل وصورت مغربی تہذیب چرا کر نہ لے گئی ہوتی، اگر اس کی صدق وصفا کی بیٹھک سلامت رہ گئی ہوتی۔ اور اگر اس میں خوفِ خدا سے روتے ہوئے آنکھوں میں آنسوؤں کا پانی ہوتا۔ تو اس سے بڑھ کر اچھا مسلمان دنیا بھر میں ایک نہ مل سکتا۔ الغرض آجکل ماڈرن مسلمان میں وہ تمام —

خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جو اُس مکان میں پائی جاتی تھیں۔ ماڈرن مسلمان اس شعر کے مطابق سمجھیے۔ ؎

خانہ برباد ہوں صحرا میں بگولوں کی طرح
سقف و دیوار و در و بام سے کچھ کام نہیں

حکایت نمبر ۶۸

خانہ یا ویرانہ

ایک سائل نے ایک گھر کے دروازے پر آ کر سوال کیا۔ خدا کے نام پر روٹی مل جائے۔ اندر سے آواز آئی بابا یہ کوئی نانبائی کی دکان نہیں۔ سائل نے کہا۔ اچھا تھوڑا سالن ہی مل جائے۔ جواب ملا۔ یہ ہوٹل نہیں۔ سائل نے کہا۔ مٹھی بھر آٹا ہی دے دو۔ جواب ملا۔ یہ آٹے کی دکان نہیں۔ اچھا کوئی کپڑا ہی دے دو۔ جواب ملا۔ یہ کوئی کپڑے کی دکان نہیں۔ گوشت کی دو بوٹیاں ہی دے دو۔ جواب ملا۔ یہ قصائی کی دکان نہیں۔ سائل نے کہا۔ تھوڑا سا

پانی ہی پلا دو۔ جواب ملا۔ یہ کوئی پانی کی سبیل نہیں۔
سائل ایکدم گھر کے اندر جا کر صحن میں بیٹھ کر پاخانہ کرنے لگا۔ گھر والوں نے شور مچایا۔ کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے۔ وہ کہنے لگا۔ ذرا ٹھہرو مجھے حاجت سے فارغ ہو لینے دو۔ چنانچہ اطمینان سے وہ فارغ ہوا۔ تو گھر والوں سے کہنے لگا۔ بھئی میں اسے آباد گھر سمجھ کر کچھ مانگنے آیا تھا۔ مگر جب آپ سے سنا۔ کہ یہ نانبائی کی دکان بھی نہیں۔ ہوٹل بھی نہیں۔ آٹے کی دکان بھی نہیں۔ قصائی کی دکان بھی نہیں۔ سبیل بھی نہیں۔ نہ یہاں روٹی ہے نہ پانی نہ آٹا نہ کپڑا۔ نہ سالن نہ بوٹی۔ تو میں نے یقین کر لیا۔ کہ یہ خانہ نہیں ویرانہ ہے۔ مجھے بڑے زور کی حاجت ہو رہی تھی۔ سوچا اتفاق سے ویرانہ مل گیا ہے۔ کیوں نہ یہاں رفع حاجت کر لوں۔

سبق

جس حبیب سے خدا کی راہ میں کچھ نہ نکلے وہ حبیب نہیں شیطان کا فریب ہے۔ جس مال سے زکوٰۃ نہ نکلے وہ

مال نہیں وبال ہے۔ یہی حال ماڈرن مسلمان کا ہے۔ آپ پوچھتے ہیں۔ ذرا نماز تو سنائیے۔ جواب ملے گا۔ میں مولوی نہیں ہوں۔ اچھا زکوٰۃ ہی ادا کیجئے۔ جواب ملے گا۔ میں نے دولت چُرا کر جمع نہیں کی جو بانٹتا پھروں۔ اچھا حج ہی ادا کر لیجئے۔ جواب ملے گا۔ میں بیکار نہیں ہوں۔ جو دو تین مہینے یونہی پھرتا رہوں۔ اچھا روزہ ہی رکھ لیا کریں۔ جواب ملے گا۔ میں کوئی مفلس نہیں ہوں۔ جو دن بھر بھوکا رہوں۔ یہ جوابات سُن کر آپ زور سے پڑھیئے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہ اگر پوچھے کہ یہ لاحول کیوں؟ تو جواب دیجئے۔ آپ مسلمان نہیں شیطان ہیں ؎

کارِ شیطاں اور مسلماں نام ہے!
نام اسی کا ماڈرن اسلام ہے

مولانا رومی کے چند اشعار کا اُردو منظوم ترجمہ۔ فرمائیے ؎

جب نہیں تو باز تا پکڑے شکار
اور ہو پھر زیبِ دستِ شہریار

جب نہیں تو مور، پر جس کے سجے
تا ہو روشن آنکھ تیرے نقش سے
جب نہیں طوطی کہ تجھ کو قند دیں
اور تیرے نغمۂ شیریں سنیں
جب نہیں بلبل کہ مثلِ عاشقاں
لالہ زار و باغ میں ہو نوحہ خواں
جب نہیں ہدہد کہ لے جائے پیام
اور نہ ہی بگلا کہ اونچا ہو مقام
پھر بتا کس باغ کی مولی ہے تُو؟
کون ہے تُو؟ چیز کیا ہے؟ زشت خُو!

حکایت نمبر ۹۹

نوے سالہ بڑھیا کا میک اپ

ایک نوّے سالہ بڑھیا تھی، سفید بال، چہرہ زرد، مُنہ پر جھریاں، ٹوٹے ہوئے دانت کمان کی طرح دوہری بیکن۔

حرص اور شہوت کا شکار! جس طرح خالی دیگ کے نیچے آگ جلائی گئی ہو۔

ایک دن بڑھیا کے پڑوس میں شادی کی تقریب ہوئی۔ جس میں اُسے بھی بلایا گیا۔ بڑھیا بہت مسرور ہوئی۔ فوراً ڈرائنگ روم میں آئی۔ آئینہ کے سامنے بیٹھی۔ بال سنوارے۔ کریم لگایا اور منہ کو بہت ملا۔ لیکن چہرے کی جھریاں دُور نہ ہوئیں۔ بڑھیا کو اور تو کچھ نہ ملا۔ پاس ہی قرآن پاک پڑا تھا۔ اس کے سفید اوراق کو باریک باریک کاٹ کر لئی کے ساتھ جھریوں پر چپکا لیا۔ اور چادر اوڑھ کر خراماں خراماں روانہ ہوگئی۔ راستے میں چادر کو صحیح کرنے لگی تو کاغذ کے ٹکڑے ایک ایک کر کے چہرہ سے گرنے لگے۔ غصہ میں آکر کہنے لگی "لعنت ہو شیطان پر!" یہ کہنا تھا کہ شیطان آ دھمکا اور بولا کہ مجھ پر لعنت کیسی؟ سو شیطان ایک طرف اور تو اکیلی ایک طرف۔ یہ تدبیر تو کسی شیطان کو بھی نہ سوجھی تھی کہ جھریاں چھپانے کے لئے مصحف پاک کے اوراق کاٹ کر چہرہ پر چپکائے۔ اے بڑھیا! چہرہ پر ہزار کاغذ بھی لگائے تو یہ جھریاں دور نہ

ہوں گی۔ تیری یہ کوشش بے کار ہے۔

سبق

آجکل کے ماڈرن مرد اور عورتیں یہ سب نئی تہذیب کی بڑھیا کا مصداق ہیں۔ تہذیب نو نے انہیں بڑھاپا چھپانے کے لئے میک اپ دیا۔ جس سے یہ بوڑھے ہو کر بھی جوان نظر آتے ہیں۔ میں نے ایک نظم میں لکھا ہے ؎

آیا ابال باسی کڑھی میں یہ دیکھئے
بڑھیا ہے اور نخرے ہیں سارے شباب کے

دوسری جگہ یوں لکھا ہے ؎

شباب آور ہے سرخی اور پوڈر
کہ ستر سال کی بڑھیا جواں ہے

لیکن مصنوعی حسن بھی کوئی حسن ہے۔ جس کا یہ عالم ہے کہ ؎

لاکھ پوڈر اپنے چہرے پر ملیں!
پھر وہی کالے کا کالا رنگ ہے

اپنا بڑھاپا چھپانے کے لئے بڑھیا نے جو کچھ کیا کیا۔ لیکن سب سے بڑا ظلم اس نے یہ کیا۔ کہ اپنی جھریاں مٹانے کے

جو قرآن پاک کے ورق کاٹ کاٹ کر اپنی جھرّیوں پر چپکانے لگی۔ اور قرآن کا مصرف اس نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اس سے جھرّیاں چھپائی جاتی ہیں۔ (معاذ اللہ) اسی طرح نئی تہذیب کی بڑھیا کے آجکل کے فرزند یعنی ماڈرن مفسّر قرآن بھی اپنی حرص و شہوت کی جھرّیاں بھرنے کیلئے قرآن پاک کو اپنی الحاد کی قینچی سے کاٹ کاٹ کر جہاں چاہیں چپکا دیتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ایسے لوگ۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ (پ ۶)

اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے

بدل دیتے ہیں۔ پھر فرمایا —

يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهٗ مِنْ

بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (پ ۱)

اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد اُسے

دانستہ بدل دیتے ہیں۔

چنانچہ آجکل تہذیب نو کی بڑھیا کے فرزند اپنے پیٹ کی جھرّیاں بھرنے کے لئے قرآن پاک کی آیات کی تفسیر کچھ ایسی کرتے ہیں جس سے یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ قرآن

آیا ہی اس لئے ہے کہ زمین سے پٹرول نکالو۔ موٹریں کاریں بناؤ۔ ہوائی جہاز بناؤ۔ راکٹ تیار کر کے چاند پر پہنچو۔ کھاؤ پیو۔ عیش و عشرت کرو۔ اور پھر مر جاؤ۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ قرآن پاک میں مادی ترقی سے ہرگز روکا نہیں گیا۔ اچھا کھانا پینا۔ دولت کمانا۔ اور موٹروں جہازوں پر سفر کرنا وغیرہ سب جائز ہے۔ دائرۂ شریعت میں رہ کر خوب کھاؤ پیو۔ عیش و عشرت کرو۔ سب جائز ہے۔ لیکن قرآنی حدود سے باہر نکل اپنی حرص و شہوت کی جھریوں کو بھرنے کے لئے قرآن پاک کی من مانی تفسیر کرنا بالکل بڑھیا کے مبک آپ کے مطابق ہے۔ مثلاً ایسے ہی ایک ماڈرن مفسر سے پوچھا گیا۔ کہ قرآن میں تو صرف چار چیزوں کو حرام فرمایا گیا ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ (پ ۲ ع ۵)

اللہ نے تم پر حرام کئے ہیں مردار۔ خون۔ اور سور کا گوشت۔ اور جو جانور غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا

گیا۔"

تو ماڈرن مفسر نے پیٹ کی جھریاں بھرنے کے لئے جواب دیا۔

قرآن کی رو سے صرف مردار۔ بہتا خون۔ لحم خنزیر غیر اللہ کے نام کی طرف کی چیزیں حرام ہیں۔ اور کچھ حرام نہیں —— ہمارے مروّجہ اسلام میں حرام و حلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں۔ وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں۔ خدا کہتا ہے۔ ہم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ مُلّا کی شریعت حرام حلال کی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

(طلوعِ اسلام جون ۵۲ء صفحہ ۶۵)

لیجئے صاحب! ان چار چیزوں کے علاوہ دیگر سب جانور اور ہر چیز جائز ہو گئی۔ اور اس آیت کو پیٹ کی

چھریاں بھرنے کے لئے پیٹ پر چپکا دیا گیا۔

اور سنیئے۔ ایسے ہی ایک صاحب نے لکھا تھا۔ کہ خدا نے حرام اگر کیا ہے۔ تو خنزیر کا گوشت اس لئے خنزیر کا گوشت نہ کھایئے۔ اس کی کھال، بال اور ہڈیاں کام میں لائی جا سکتی ہیں۔ کھالوں کے بوٹ بناؤ۔ بالوں سے دانتوں کے برش تیار کرو۔ ہڈیوں سے بھی فائدہ اٹھاؤ۔ ان صاحب نے بھی قرآن سے پیٹ کی بھریاں بھرنے کا کام لے لیا۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ (پ۴ ع ۵)

اے ایمان والو! سود دو نادوں نہ

کھاؤ۔"

اس آیت پر ماڈرن مفسروں کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ خدا نے دونا دون سود کھانے سے روکا ہے۔ حضور کے زمانہ میں سود خواروں کا یہ دستور تھا۔ کہ جب میعاد آتی۔ اور قرضدار کے پاس رقم نہ ہوتی۔ تو سود خوار مال زیادہ کر کے مدت بڑھا دیتا۔ اور اس طرح سود در سود لیتا۔ ماڈرن

مفسّر کا کہنا ہے۔ کہ آیت میں سود در سود کی ممانعت ہے صرف سود کی ممانعت نہیں۔ پھر بعض لوگ سود کا نام منافع رکھ کر کھا لیتے ہیں۔ حالاں کہ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ سور کا نام دُنبہ رکھ لو۔ تو سور پھر بھی سور ہی رہے گا۔ دُنبہ ہرگز نہ بن سکے گا۔ مگر یہ سب تاویلیں بڑھیا کے میک اپ کی طرح کی ہیں۔ تاکہ پیٹ پھولے۔ اور جھریاں غائب ہوں۔ میں نے لکھا ہے ؎

یہی کہتے ہیں وہ تہذیب نو کے ہیں جو متوالے
یہ جائز ہے کہ ناجائز تجھے کیا جو ملے کھالے!

اور اکبر الٰہ آبادی نے لکھا ہے ؎

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے!

حکایت نمبر ۷۰

چالاک عورت

ایک شخص نے ایک چالاک عورت سے شادی کرلی

عورت بڑی ہشیار، چالاک، اور کھانے پینے کی رسیا تھی
ہر وقت کھاتی پیتی رہتی تھی۔ ایک دن اُن کے ہاں ایک
مہمان آگیا۔ مہمان کی خاطر وہ شخص سیر بھر گوشت لایا۔
اور بیوی سے کہا۔ مہمان کے لئے آج گوشت پکاؤ۔ عورت
نے گوشت پکانے کے لئے ہنڈیا چولھے پر رکھی۔ اور
گوشت بھونتے ہوئے ایک ایک بوٹی نکال کر سارا گوشت
چٹ کر گئی۔ خاوند گھر آیا۔ تو کہنے لگی۔ وہ دیکھئے جو بلّی۔
آپ نے پال رکھی ہے۔ کم بخت کس بھولے پن سے بیٹھی
ہے۔ ہنڈیا میں مصالحہ بھون رہی تھی۔ گوشت طاق میں
رکھا ہوا تھا۔ بلّی نے گوشت دیکھ لیا۔ تو سارا گوشت
وہ چٹ کر گئی۔ جائیے بازار سے گوشت اور لے آئیے۔

خاوند ساری بات سمجھ گیا اور بازار سے ترازو لے
آیا۔ اس کے بعد بلّی کو پکڑ کر ترازو کے ایک پلڑے میں
رکھا۔ اور دوسرے پلڑے میں سیر کا باٹ رکھا۔ تولا تو
بلّی پوری ایک سیر نکلی۔ گوشت بھی سیر بھر تھا۔ اور بلّی بھی
سیر بھر نکلی۔ خاوند نے بیوی سے کہا۔ ادھر آ! یہ جیا۔ اور
مجھے بتا۔ کہ یہ سیر بھر وزن اگر بلّی کا ہے۔ تو گوشت کہاں گیا؟

اور اگر یہ سیر بھر وزن گوشت کا ہے۔ تو بلی کہاں گئی؟

سبق

چالاک۔ عیار اور خائن لوگ وقتی طور پر اگر کچھ پا بھی لیں۔ تو کچھ فائدہ نہیں ایک دن ایسا بھی آ جاتا ہے۔ جب ان کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے۔ یہاں اگر نہیں تو قیامت کے روز جب میزان قائم ہوگی۔ اس دن ساری خیانتیں اور بے ایمانیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ خدا فرماتا ہے۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّ
لَا نَاصِرٍ ۝ (پ۳۰ ع ۱۱)

جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی۔
تو آدمی کے پاس نہ کچھ زور ہوگا نہ
کوئی مددگار۔"

یعنی قیامت کے روز خدا تعالے عقائد اور نیتیں اور وہ کام جنہیں آدمی چھپاتا ہے۔ ظاہر فرما دے گا۔ آج اگر ایک شخص کی حکمت عملی نے ترازو کے ذریعہ چالاک

عورت کی بے ایمانی ظاہر کر لی۔ تو خدا تعالیٰ جو حکیم مطلق ہے۔ وہ روزِ قیامت میں ترازو کے ذریعے چالاک و عیار اور خائن لوگوں کی بے ایمانیاں کیوں ظاہر نہ فرمائیگا

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں اور آجکل کے مسلمانوں میں بڑا فرق ہے۔ ان کے مکان کچے اور ایمان پکے تھے۔ آجکل مکان پکے اور ایمان کچے ہیں۔ وہ چالاک و بے باک نہ تھے۔ یہ چالاک بھی ہیں اور بے باک بھی ع

بھوکے رہتے تھے وہ اوروں کو کھلا دیتے تھے

کے وہ مصداق تھے۔ اور یہ رام رام جپنا پرایا مال اپنا" کے مصداق ہیں۔ وہ کامل مسلمان تھے۔ اور یہ ماڈرن مسلمان ہیں۔ مولانا رومی کی مذکورہ بالا حکایت کے مطابق آپ ترازو کے ایک پلڑے میں پہلے مسلمان رکھئے۔ اور دوسرے میں آجکل کے۔ پھر فیصلہ کیجئے۔ کہ موجودہ مسلمان ہی اگر مسلمان ہیں۔ تو پہلے مسلمان کیا تھے؟ اور اگر پہلے مسلمان مسلمان تھے۔ تو پھر آجکل کے مسلمان کیا ہیں ؎

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے
اور اب خود ہی ہیں سب پینے و کھانے والے

حکایت نمبر ۱۷

ماں کا قاتل

ایک شخص کی ماں بڑی عیاش تھی۔ کئی بدمعاشوں سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ ایک روز اُس کے باغیرت بیٹے نے غیرت میں آکر اپنی ماں کو قتل کر ڈالا۔ کسی نے اُس سے کہا۔ ارے نالائق! تو نے یہ کیا حرکت کی؟ ماں کا تو بڑا حق ہوتا ہے۔ تو نے ماں کو قتل کر دیا۔ اُس نے جواب دیا۔ میری ماں کے فلاں فلاں شخص سے ناجائز تعلقات تھے۔ میں نے غیرت میں آکر اُسے قتل کر دیا۔ معترض نے کہا۔ اگر تو ایسا ہی غیرت مند تھا۔ تو اس بدکار آدمی کو قتل کرتا۔ جس سے تمہاری ماں کے تعلقات تھے۔ اُس نے کہا۔ میری ماں کے تعلقات اگر

کسی ایک شخص سے ہوتے۔ تو اُسے قتل کرتا۔ اُس کے تو کئی بد معاشوں سے تعلقات تھے۔ میں کس کس کو قتل کرتا۔ میں نے ماں کو قتل کر کے گویا سب کا قصہ پاک کر دیا۔

سبق

نفس امارہ کی مثال بھی اس بدکاریاں کی ہے۔ کہ اُس کی ناجائز خواہشات سے ہر طرف فتنہ و فساد نظر آ رہا ہے۔ نفس کا ناجائز تعلق رشوت سے بھی ہے۔ خیانت سے بھی۔ بد دیانتی اور شرارت سے بھی۔ جنگ و فساد اور قتل و غارت سے بھی یہ جتنی بُرائیاں بھی دُنیا میں عام ہیں۔ اسی بدکار نفس کی وجہ سے ہیں۔ اگر آپ نفس کو زندہ رکھ کر ان برائیوں کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ تو کون کون سی بُرائی کو مٹائیں گے؟ ان سب برائیوں کا قصہ پاک کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ کہ اس نفس امارہ ہی کو مار دیا جائے۔ چنانچہ مولانا رومی یہی فرماتے ہیں ؎

پس بکُش اُو را کہ ہر آن دنی !
ہر دمے قصدِ عزیزے مے کُنی

یعنی تو اس کمینے نفس کو مار۔ جس کے سبب تو ہر لحظہ تازہ خون کرتا ہے۔ ع

بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا

حکایت نمبر ۲۷

شیر کی تصویر

اہلِ قزوین میں یہ دستور تھا۔ کہ ہر چھوٹا بڑا اپنے جسم پر کوئی نہ کوئی تصویر بنوا لیتا تھا۔ ایک پہلوان تصویر بنوانے کے لئے مصوّر کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ میرے جسم پر شیر کی تصویر بنا دے۔ مصوّر نے سوئی پکڑی۔ اور اس کے جسم پر شیر کی تصویر بنانے کے لئے جسم میں سوئی چبھوئی۔ پہلوان کو تکلیف ہوئی تو پوچھنے لگا۔ شیر کا کونسا عضو پہلے بنانے لگے ہو۔ مصوّر نے کہا۔ پہلے شیر

کی دم بناؤں گا۔ پھر باقی شیر بناؤں گا۔ پہلوان نے کہا۔ تم دُم رہنے دو۔ بے دُم کا شیر زیادہ قوی ہو گا مصور نے پھر شیر کے کان بنانے کے لئے سوئی چبھوئی۔ تو اسے پھر تکلیف ہوئی۔ اس نے پُوچھا۔ اب کیا بنانے لگے ہو؟ مصور نے کہا۔ اب شیر کے کان بنانے لگا ہوں۔ پہلوان نے کہا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کتے کے کان کاٹ دیئے جائیں۔ تو وہ زیادہ بہادر نظر آتا ہے۔ تم کان بھی رہنے دو۔ اور باقی کا شیر بناؤ۔ مصور نے اب شیر کا پیٹ بنانے کے لئے سوئی چبھوئی۔ تو یہ پھر تڑپا اور بولا۔ اب شیر کا کون حصہ بنانے لگے ہو۔ کہا۔ شیر کا پیٹ۔ پہلوان نے کہا۔ پیٹ بھی رہنے دو۔ اور باقی کا شیر بنا دو۔ مصور نے اب شیر کا مُنہ بنانے کے لئے سوئی چبھوئی۔ اسے پھر تکلیف ہوئی۔ پوچھا اب کون سا حصہ بنانے لگے ہو۔ مصور نے کہا۔ شیر کا منہ۔ پہلوان نے کہا۔ مُنہ بھی رہنے دو۔ اور باقی کا شیر بنا دو۔ مصور نے سوئی رکھ دی۔ اور کہا۔ جناب معاف فرمایئے ایسا شیر کبھی خدا نے دیکھا جس کی نہ دم ہو۔ نہ کان۔

نہ پیٹ اور نہ منہ ہو۔ اور ہو شیر۔ سوئی کی تکلیف سے اتنا ڈر۔ اور شوق یہ کہ شیر کی تصویر بنواؤں معاف کیجئے۔ ایسا شیر کہیں نہیں پایا جاتا۔

سبق

شیر وہ ہے جس کے کان بھی ہوں۔ دم بھی ہو۔ پیٹ بھی ہو۔ پنجے بھی ہوں۔ اور مونہہ بھی ہو۔ اور جس کی نہ دم ہو۔ نہ پیٹ۔ نہ کان۔ نہ پنجے اور نہ منہ ایسا شیر نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ اسی طرح مسلمان وہ ہے جس میں اسلامی ارکان ہوں۔ نماز بھی ہو۔ روزہ بھی۔ حج و زکوٰۃ بھی ہو۔ جذبۂ جہاد بھی۔ اور جس میں نہ نماز ہو۔ نہ روزہ ہو نہ حج ہو نہ زکوٰۃ۔ خدا کی یاد ہو نہ جذبۂ جہاد۔ ایسا مسلمان نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ شیر وہی ہے۔ جس کے سارے اعضاء موجود ہوں۔ مسلمان بھی وہ ہے۔ جس میں سارے اسلامی ارکان موجود ہوں۔ یہ عجیب قصہ ہے۔ کہ نہ دم۔ نہ پیٹ۔ نہ کان۔ نہ منہ۔ اور شوق یہ کہ شیر بنے۔ یونہی یہ بھی

عجیب بات ہے۔ کہ نہ نماز۔ نہ روزہ۔ نہ زکوٰۃ۔ نہ حج۔ اور دعویٰ یہ کہ مسلمان ہوں ؎

پیدا مسلم بننے کا ارمان کر
پورے سب اسلام کے ارکان کر

حکایت نمبر ۱۳۷

شیر۔ بھیڑیا اور لومڑی

ایک شیر نے ایک روز اپنے ساتھ بھیڑیئے اور لومڑی کو بھی لے لیا۔ اور کہا۔ چلو تم بھی میرے ساتھ آج تینوں مل کر شکار کریں۔ شیر کی اس مہربانی سے بھیڑیا اور لومڑی دونوں خوش ہو گئے۔ اور اس کے ساتھ چل پڑے۔ اس روز اُنہوں نے تین شکار مارے۔ نیل گائے۔ ہرن اور خرگوش یہ تین شکار مار کر شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ لو تم اُن کی تقسیم کرو۔ بھیڑیئے نے عرض کی۔ حضور ہم شکاری بھی تین اور شکار بھی تین ہیں۔ تقسیم بالکل آسان ہے۔ گائے آپ لے لیں۔

ہرن مجھے دے دیں۔ اور خرگوش لومڑی کو دے دیں۔ بھیڑیئے نے یہ تقسیم کی اور اس تقسیم کو — شیر نے سُنا۔ تو غصے میں آگیا۔ کہنے لگا۔ بے ادب گستاخ! میرے ہوتے ہوئے تو بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگا ہے اس جنگل کا بادشاہ میں ہوں۔ سب کچھ میرا ہے۔ تو کون ہے۔ حصہ دار بننے والا! غصے میں آکر بھیڑیئے کو ایک ایسا تھپڑ مارا۔ کہ بھیڑیا بچارہ ہرن لیتے لیتے اپنی جان بھی گنوا بیٹھا۔ ایک ہی تھپڑ سے مر گیا۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی سے کہا۔ بھیڑیا تو بیوقوف تھا۔ لے اب تو ان کی تقسیم کر۔ ذرا تیری عقل بھی تو دیکھوں لومڑی پہلے تو شیر کے آگے سجدے میں گر گئی۔ اور پھر بڑے ادب کے ساتھ عرض کرنے لگی۔ حضور! گائے تو آپ اُسی وقت تناول فرما لیں۔ اور شام کے وقت ہرن کھا لیجئے۔ اور کل صبح خرگوش سے ناشتہ فرما لیجئے۔ یہ سب کچھ آپ کا ہے میں بھی آپ کی ہوں۔ میرا کیا ہے میری تو آپ کو خوش دیکھ کر بھوک باقی نہیں رہتی۔ لومڑی کی یہ تقسیم سُن کر شیر بڑا خوش ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ بڑی

اچھی تقسیم کی تو نے! مگر تم نے یہ تقسیم سیکھی کہاں سے؟ لومڑی بولی۔ حضور! بھیڑیئے کے انجام سے۔ اتنا کہہ کر پھر سجدے میں گر پڑی۔ لومڑی کی اس ادا پر شیر خوش ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ جاؤ یہ تینوں شکار ہم نے تمہی کو عطا کئے۔ میں اور شکار کر لوں گا۔ یہ کہہ کر شیر نے تینوں شکار لومڑی کو دے دیئے۔ شیر کے جانے کے بعد لومڑی اللہ کے حضور سجدے میں گر کر شکر ادا کرنے لگی۔ اور کہنے لگی۔ الٰہی! تیرا لاکھ شکر کہ تقسیم کے لئے میری باری بھیڑیئے کے بعد آئی۔ اور میں نے بھیڑیئے کا انجام دیکھ لیا۔ اور اُس جیسی تقسیم نہ کر کے شیر کے غضب و جلال سے بچ گئی۔ ورنہ اگر میری باری بھیڑیئے سے پہلے آتی۔ تو میں بھی بھیڑیئے کی طرح کی تقسیم کرتی۔ اور میرا انجام بھی وُہی ہوتا۔ جو بھیڑیئے کا ہُوا۔ الحمد للہ میری باری بعد میں آئی اور میں نے بھیڑیئے کے انجام سے عبرت حاصل کر لی۔ اور اس تقسیم سے بچ کر شیر کے عتاب سے بچ گئی۔ لومڑی کتنی ہی دیر سجدے میں پڑی رہی۔ اور اپنی جان بچ جانے کا شکر ادا کرتی رہی۔

سبق

اللہ کا لاکھ شکر ادا کیجئے۔ کہ خدا نے ہمیں آخری نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اُمّت بنایا۔ اور ساری اُمتوں کے بعد بھیجا۔ پہلی اُمتوں سے جو جو گناہ ہوئے۔ اور جن عذابوں میں وہ لوگ مبتلا ہوئے۔ قرآن پاک سے ہمیں ان سب کا علم ہو گیا۔ اور ہمیں ان لوگوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اگر ہم پہلے آئے ہوتے۔ تو ہمارا حشر بھی وہی ہوتا جو پہلی اُمّتوں کا ہُوا۔ مگر یہ اللہ کا خاص کرم ہُوا۔ کہ اُس نے ہمیں ساری اُمتوں کے بعد بھیجا۔ تاکہ ہم پہلی اُمّتوں کے گناہوں اور اُن پر نازل ہونے والے عذابوں کو دیکھ کر، عبرت حاصل کریں۔ ان گناہوں سے بچ کر خُدا کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں ؎

حضور! آپ ہی کا ہے سارا کرم
خُدا کے غضب سے بچے ہیں جو ہم

دانائے روم فرماتے ہیں ؎

پس سپاس او را کہ مارا در جہاں
کرد پیدا از پس پیشینیاں
تا کہ ما از حالِ آں گرگانِ پیش
ہمچو روباہ پاس خود داریم بیش
اُمتِ مرحومہ زیں رو خواند مان!
آں رسولِ حق و صادق در بیاں
عاقل آں باشد کہ عبرت گیرد از
مرگِ یاران و بلائے محترز

(۱) پس اس ذات کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں پہلی اُمتوں کے بعد پیدا فرمایا۔
(۲) تا کہ ہم پہلے بھیڑیوں کے حالات کو، لومڑی کی طرح پیشِ نظر رکھیں۔
(۳) یہی وجہ ہے کہ رسول صادق و برحق نے ہمیں اُمتِ مرحومہ فرمایا ہے۔
(۴) عاقل وہ ہے جو دوستوں کی موت اور پیش آمدہ بلاؤں سے عبرت حاصل کرے۔

حکایت نمبر ۴۷

شیر اور خرگوش

ایک جنگل میں بہت سے چرندے و پرندے رہتے تھے۔ ایک روز اس جنگل میں ایک شیر آگیا۔ جس نے آتے ہی بہت سے جانوروں کو شکار کر لیا۔ شیر نے جب دیکھا۔ کہ یہاں جانوروں کی کثرت ہے تو اسی جنگل میں ڈیرہ جما لیا۔ جنگل کے جانوروں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور سب ڈر گئے۔ کہ اب ہماری خیر نہیں۔ پھر اُنہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا۔ کہ شیر کے پاس چل کر اس سے کہتے ہیں کہ ہم خود ہی ہر روز آپ کے لئے ایک جانور بھیجا کریں گے۔ آپ کو رزق تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ سب مل کر شیر کے پاس پہنچے۔ اور کہنے لگے! حضور! آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔ اور ہم سب آپ کے غلام۔ آپ اپنے مقام پر ہی تشریف رکھا کریں۔ ہم ہر روز ایک جانور

آپ کے پاس خود ہی بھیج دیا کریں گے۔ شیر نے یہ بات منظور کر لی۔ اور کہا۔ اپنے وعدے پہ قائم رہنا۔ ورنہ میں تم میں سے کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ سب نے اقرار کر لیا۔ کہ ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔ چنانچہ ہر روز صبح جانوروں کا اجتماع ہوتا۔ وہ قرعہ ڈالتے جس جانور کا نام نکلتا۔ شیر کی غذا کے لئے اسے بھیج دیتے۔ اور وہ شیر کا لقمہ بن جاتا۔

کچھ دنوں کے بعد خرگوش کا نمبر آ گیا۔ سب نے اس سے کہا۔ کہ آج شیر کا لقمہ بننے کو تمہیں جانا پڑے گا۔ خرگوش نے کہا۔ ہاں میں جاتا ہوں۔ اور انشاء اللہ آج میں خود بھی صحیح سلامت واپس آ جاؤں گا۔ اور ہمیشہ کے لئے تم سب کو بھی شیر سے نجات دلا دوں گا۔ انہوں نے کہا۔ کیوں اتنی لاف مارتے ہو۔ کہاں شیر اور کہاں تم؟ شیر کا تم کیا بگاڑ لوگے۔ خرگوش نے کہا۔ تم خود دیکھ لو گے۔ کہ میں کیا کر کے آتا ہوں۔ جو تدبیر مجھے سوجھی ہے۔ اس کا نتیجہ دیکھ کر تم عش عش کر اٹھو گے۔

الغرض خرگوش نے باتوں ہی باتوں میں دیر کر دی۔ اِدھر دیر ہوئی۔ تو اُدھر شیر اپنی غذا کے انتظار میں بے حد غصے میں آ گیا۔ کہ آج میرے لئے ابھی تک کوئی جانور نہیں آیا۔ شیر اسی غصہ میں تھا۔ کہ خرگوش ڈرا اور سہما ہُوا شیر کے پاس آ پہنچا۔ شیر نے غصہ سے پوچھا۔ کہ تم نے دیر کیوں کر دی؟ خرگوش نے کہا۔ حضور! کیا بتاؤں۔ آپ کے لئے ہم دو خرگوش آ رہے تھے۔ لیکن راستے میں ایک اور شیر مل گیا۔ جس نے ہم پر حملہ کر دیا۔ میں تو اس کے پنجہ سے بچ نکلا۔ مگر میرا ساتھی خرگوش اس نے پکڑ لیا۔ میں بڑی مشکل سے لمبا چکر کاٹ کر آپ تک پہنچا ہوں۔ شیر نے کہا۔ کیا کوئی اور شیر بھی اس جنگل میں آ گیا ہے؟ خرگوش نے کہا۔ ہاں۔ جناب! اس نے تو میرے ساتھی کو پکڑ لیا ہے۔ اور میں اپنی جان بچا کر آپ تک پہنچا ہوں شیر غصہ میں پیچ و تاب کھاتا ہُوا بولا۔ چل مجھے وہاں لے چل جہاں وہ شیر ہے۔ پہلے میں اُسے ختم کر لوں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ خرگوش نے کہا۔ چلئے میں آپ

وہاں لے کر چلوں۔ چنانچہ خرگوش نے شیر کو ساتھ لیا اور ایک کنوئیں کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ اور شیر سے کہنے لگا۔ دیکھئے جناب! وہ شیر بھی کھڑا ہے۔ اور اس کے ساتھ میرا ساتھی خرگوش بھی۔ شیر نے آگے بڑھ کر کنوئیں کے اندر جو جھانکا۔ تو پانی میں اُسے اپنا اور خرگوش کا عکس نظر آیا۔ شیر نے سمجھا کہ وہ شیر ہے جس نے میرے دو خرگوشوں پر حملہ کر کے ایک خرگوش پکڑ لیا ہے۔ اور وہ خرگوش بھی اس کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس خیال سے بیحد غصہ میں آ کر شیر نے اپنے ہی عکس پر حملہ کرنے کو کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ شیر کنوئیں میں گرتے ہی پانی میں غوطے کھانے لگا۔ اور خرگوش نے کنارے پر کھڑے کہا۔ بادشاہ سلامت الوداع میں اب واپس جا رہا ہوں۔ شیر کچھ عرصہ کے بعد کنوئیں میں ڈوب کر مر گیا۔ اور خرگوش صحیح سلامت واپس آ گیا۔ سب جانور اس کی حکمت عملی پر عش عش کر اٹھے۔ اور اس کے کمال کو سراہنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ واقعی تم نے کمال کر کے دکھا دیا۔

الغرض خرگوش نے باتوں ہی باتوں میں دیر کر دی۔ اِدھر دیر ہوئی۔ تو اُدھر شیر اپنی غذا کے انتظار میں بحد غصے میں آگیا۔ کہ آج میرے لئے ابھی تک کوئی جانور نہیں آیا۔ شیر اسی غصہ میں تھا۔ کہ خرگوش ڈرا اور سہما ہُوا شیر کے پاس آپہنچا۔ شیر نے غصہ سے پوچھا۔ کہ تم نے دیر کیوں کر دی؟ خرگوش نے کہا۔ حضور! کیا بتاؤں۔ آپ کے لئے ہم دو خرگوش آرہے تھے۔ لیکن راستے میں ایک اور شیر مل گیا۔ جس نے ہم پر حملہ کر دیا۔ میں تو اس کے پنجہ سے بچ نکلا۔ مگر میرا ساتھی خرگوش اس نے پکڑ لیا۔ میں بڑی مشکل سے لمبا چکر کاٹ کر آپ تک پہنچا ہوں۔ شیر نے کہا۔ کیا کوئی اور شیر بھی اس جنگل میں آگیا ہے؟ خرگوش نے کہا۔ ہاں۔ جناب! اس نے تو میرے ساتھی کو پکڑ لیا ہے۔ اور میں اپنی جان بچا کر آپ تک پہنچا ہوں۔ شیر غصہ میں پیچ و تاب کھاتا ہُوا بولا۔ چل مجھے وہاں لے چل جہاں وہ شیر ہے۔ پہلے میں اُسے ختم کر لوں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ خرگوش نے کہا۔ چلئے میں آپ

وہاں لے کر چلوں۔ چنانچہ خرگوش نے شیر کو ساتھ لیا اور ایک کنوئیں کے کنارے جا کھڑا ہوُا۔ اور شیر سے کہنے لگا۔ دیکھئے جناب! وہ شیر بھی کھڑا ہے۔ اور اس کے ساتھ میرا ساتھی خرگوش بھی۔ شیر نے آگے بڑھ کر کنوئیں کے اندر جو جھانکا۔ تو پانی میں اُسے اپنا اور خرگوش کا عکس نظر آیا۔ شیر نے سمجھا کہ وہ شیر ہے جس نے میرے دو خرگوشوں پر حملہ کر کے ایک خرگوش پکڑ لیا ہے۔ اور وہ خرگوش بھی اس کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس خیال سے بیحد غصّہ میں آ کر شیر نے اپنے ہی عکس پر حملہ کرنے کو کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ شیر کنوئیں میں گرتے ہی پانی میں غوطے کھانے لگا۔ اور خرگوش نے کنارے پر کھڑے کہا۔ بادشاہ سلامت الوداع میں اب واپس جا رہا ہوں۔ شیر کچھ عرصہ کے بعد کنوئیں میں ڈوب کر مر گیا۔ اور خرگوش صحیح سلامت واپس آ گیا۔ سب جانور اس کی حکمت عملی پر عش عش کر اُٹھے۔ اور اس کے کمال کو سراہنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ واقعی تم نے کمال کر کے دکھا دیا۔

سبق

حکمت و دانائی سے بڑی بڑی مشکلات پر قابو پا یا جا سکتا ہے۔ اور خدا کا فضل جب شاملِ حال ہو تو بگڑے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جس طرح شیر نے اپنے زعم میں۔ دوسرے شیر پر حملہ کیا تھا۔ حالانکہ اس کا یہ حملہ خود اپنی ذات پر تھا۔ اسی طرح جو ظالم شخص کسی دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا۔ کہ یہ ظلم در اصل وہ اپنی ہی ذات پر کر رہا ہے۔ جتنے خائن۔ بد دیانت راشی۔ سود خوار اور کم تولنے والے ہیں۔ یہ سب در اصل اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا پتہ انہیں اس وقت چلے گا۔ جب یہ لوگ قبر کے کنوئیں میں پہنچیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ اپنے ظلم کی بنا ء پر عوام سے ہفتہ وار یا ماہوار رشوت لینے کا عہد لے لیتے ہیں۔ ان کا انجام بھی ہولناک ہوگا یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ خدا تعالےٰ بڑا بے نیاز اور

بڑی طاقت کا مالک ہے۔ چاہے تو چیونٹی سے ہاتھی کو مروا دے۔ مچھر سے نمرود کو ہلاک کر دے۔ اور خرگوش سے شیر کو مروا دے۔

حکایت نمبر ۷۵

شیر اور لومڑی

ایک شیر بوڑھا ہو گیا۔ اور دوڑنے بھاگنے سے رہ گیا۔ طاقت بھی باقی نہ رہی۔ اُس نے سوچا۔ کہ شکار تو اب مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے میں ہر روز کوئی شکار پا سکوں۔ چنانچہ وہ بیمار بن کر غار میں بیٹھ گیا۔ تاکہ جانور میری عیادت کے لئے آئیں۔ اس طرح جو جانور بھی میری عیادت کے لئے غار میں میرے پاس اندر آئے گا۔ اُسے کھا جایا کروں گا۔ چنانچہ جانوروں کی شیر کی علالت کا پتہ چلا۔ تو وہ عیادت کے لئے آنے لگے۔ جو جانور بھی

غار کے اندر حال پوچھنے کو جاتا۔ واپس نہ آتا۔ ایک لومڑی بھی آئی۔ اور غار کے دروازے ہی پر کھڑے ہو کر پوچھنے لگی۔ حضور کی طبیعت کیسی ہے! شیر نے کہا باہر کیوں کھڑی ہو۔ اندر آجاؤ۔ لومڑی بولی۔ حضور! میرے اندر نہ آنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ میں نے بہت سے پاؤں کے نشان دیکھے ہیں۔ سب اندر جانے ہی کے ہیں۔ باہر آنے کا ایک بھی نشان نہیں۔ اس لئے میں یہیں اچھی ہوں۔ آپ کا مزاج پوچھ کر یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔

سبق

دانائی یہ ہے۔ کہ جو کام بھی کیا جائے۔ سوچ سمجھ کر کیا جائے۔ اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا جائے۔ کہ کیا ہو گا۔ جو لوگ بغیر سوچے سمجھے اور انجام پر نظر کئے بغیر کوئی کام کرتے ہیں۔ تو وہ پچھتاتے ہیں۔ ع

"مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست"

کے مطابق انجام پر نظر رکھنے والے اچھے رہتے ہیں اور جو عاقبت نا اندیش "دیکھا جائے گا" کہہ کر ہر کام کر گزرتے ہیں۔ وہ نقصان اُٹھاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو یہ شعر پڑھا کرتے ہیں کہ ؎

عاقبت کی خبر خُدا جانے!
اب تو آرام سے گزرتی ہے

ایسے شاعروں اور ایسی شاعری سے تو لومڑی ہی اچھی رہی۔ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ مغربی تہذیب کا غار بڑا خطرناک ہے۔ اس کے اندر شیطان بیٹھا ہے۔ جو بھی اندر گیا۔ اس کا لقمہ بن گیا۔ اور پھر وُہ اپنی تہذیب کی طرف نہ لوٹ سکا۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ اس سے دُور ہی رہا جائے ؎

یہ تہذیب جس کی بڑی دھوم ہے
حقیقت ہمیں اس کی معلوم ہے!
یہ حیوان ہے دشمن ہے انسان کی
اسے کیا خبر دین و ایمان کی!!

حکایت نمبر ۱۷

دو بیل

ایک جنگل میں دو بیل اکٹھے رہتے تھے۔ جنگل کے شیر نے کئی بار اُن پر حملہ کیا۔ لیکن دونوں بیل اکٹھے ہو کر شیر کے مقابلہ میں آ جاتے۔ اور اپنے سینگوں سے زور دار حملے کر کے شیر کو بھگا دیتے تھے۔ شیر جب بھی حملہ کرتا۔ کامیاب نہ ہوتا۔ اور خالی لوٹتا۔ ایک روز شیر نے سوچا۔ کہ یہ بیل زور کے بل تو قابو نہیں آ سکے۔ اب کوئی تدبیر ایسی کروں۔ جس سے میں کامیاب ہو سکوں۔ چنانچہ اس نے سوچا۔ کہ ان دونوں بیلوں۔ میں کسی طرح پھوٹ پیدا کروں۔ اور ایک کو دوسرے سے الگ کر کے حملہ کروں۔ اس طرح کامیاب ہو سکوں گا۔ چنانچہ وہ ایک روز موقعہ پا کر ایک بیل کے پاس آیا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ یقین کرو۔ مجھے تم سے کوئی عداوت نہیں۔ مجھے تو تمہارے ساتھی سے بیر

ہے۔ میں نے جب بھی حملہ کیا۔ اس پر کیا۔ مگر تم خواہ مخواہ اس کے ساتھ مل کر اپنی جان بھی خطرے میں ڈال لیتے ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ تم زندہ رہو۔ کھاؤ پیو۔ میں خوش ہوں ہاں تمہارے ساتھی کو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ شیر کی یہ باتیں سُن کر بیل اس کے دھوکے میں آگیا۔ اور اس نے وعدہ کر لیا۔ کہ میں اب اپنے ساتھی کے ساتھ ہرگز نہ رہوں گا۔ شیر نے اپنی اس سیاست سے ان میں پھوٹ پیدا کر دی۔ تو اسی روز دوسرے بیل پر اس نے حملہ کر کے اُسے دبوچ لیا۔ اور کھا گیا۔ دوسرے روز پھر اس نے دوسرے بیل پر بھی حملہ کر دیا۔ چونکہ وہ بھی اکیلا رہ گیا تھا۔ اس لئے اُسے بھی شیر نے دبوچ لیا۔ اور وہ بھی ختم ہو گیا ؎

اس طرح سے جب گئے دونوں وہ پھٹ
شیر نے فوراً کیا دونوں کو چٹ!
رہتے گر دونوں وہ مل جُل کر وہاں
شیر سے رہتی بچی دونوں کی جاں!

سبق

دوست کے بارے میں دشمن کی بات ہرگز نہ سننی چاہیئے۔ دشمن اس دوستی کو مٹا کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہتا ہے۔ علماء کرام اپنی قوم کے دوست ہیں۔ مسلمانوں کے متاعِ ایمان پر جب بھی کوئی دشمنِ دین حملہ کرتا ہے۔ تو مسلمانوں کا ایمان بچانے کیلئے علماءِ کرام سینہ سپر ہو جاتے ہیں اور دشمن اپنے منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسے دشمن پھر یہ چال چلتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو علمائے کرام سے بدظن کریں۔ اور انہیں علماء سے دور کر دیں۔ تاکہ ان مسلمانوں پر حملہ آسان ہو جائے۔ اور یہ قابو میں آ جائیں۔ چنانچہ دشمن کی یہ چال آجکل چل چکی ہے اور دشمن کی اس چال میں آجانے والے لوگ علمائے کرام کے خلاف بولتے اور لکھتے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ یہ "مولوی کا مذہب غلط"۔ کوئی کہتا ہے۔ یہ حلال حرام کی طویل لسٹ مولوی کی اپنی ایجاد ہے۔

کوئی کہتا ہے۔ یہ "ملا ازم" ترقی کی راہ کا روڑہ ہے۔ اور کوئی کہتا ہے۔ "مولوی" کو مٹا دو۔ ایسے سب لوگ دشمن کے دھوکے میں آ چکے ہیں۔ اور دشمن اپنے شکار کیخاطر انہیں علماء کرام سے الگ کر کے ان پر بھرپور حملہ کر کے ان کے متاعِ ایمان کو لوٹ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ارکانِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مسلمان کہلانا بھی پسند نہیں کرتے۔ اُن کی سیرت و صورت پر بھی دشمن قابو پا چکا ہے۔ گویا دشمن نے علماء کرام سے انہیں الگ کر کے ان کو اپنا شکار کر لیا ہے۔ اسی لئے ایک نظم میں مَیں نے لکھا ہے۔ کہ ؎

اپنے ایماں سے رہیں سارے مسلماں ہشیار
لیڈر اک آتے ہیں اس شہر میں بہکانے کو

ہمارے وطنِ عزیز میں بھی دشمن اسی حربہ سے کام لے رہا ہے۔ بنگالی۔ سندھی۔ بلوچی۔ سرحدی اور پنجابی مسلمان سب ایک ہیں۔ لیکن دشمن ان میں پھوٹ ڈال کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں یہ دشمن بنگالیوں کی خیر خواہی کا مدعی

بنا۔ اور ان کو یہ پٹی پڑھائی۔ کہ مجھے تم سے تو کوئی بیر نہیں۔ مغربی پاکستان والوں سے میری عداوت ہے۔ تم ان سے مل کر کیوں اپنا نقصان کرتے ہو تم ان سے الگ رہو۔ دشمن کی اس چال میں وہ آ گئے۔ اور دشمن انہیں ہڑپ کر گیا۔ اب یہی چال ہمارے مغربی پاکستان میں بھی وہ چل رہا ہے کبھی سندھیوں کا خیر خواہ بن کر انہیں اکساتا ہے۔ کبھی بلوچیوں کی محبت جتاتا ہے۔ اور کبھی سرحدیوں کا خیر خواہ بنتا ہے۔ اور سب سے یوں کہتا ہے۔ مجھے تم سے تو کوئی بیر نہیں۔ بیر تو میرا پنجاب سے ہے۔ دشمن کی منشا یہی ہے۔ کہ ان سب بھائیوں کے اتفاق سے تو مجھے شکست ہی ہوتی ہے۔ انہیں الگ الگ کر کے ختم کروں۔ مگر اللہ کا شکر ہے۔ کہ مسلمان اب دشمن کی اس چال کو سمجھ گئے ہیں۔ اور وہ جاننے لگے ہیں۔ کہ سندھی۔ بلوچی۔ سرحدی اور پنجابی سب مسلمان اور پاکستانی ہیں۔ دشمن کا مقابلہ ہمیں سب کو مل کر کرنا ہے۔ اگر ہم الگ الگ ہو گئے۔ تو

دشمن کامیاب ہو جائے گا۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد یہ حقیقت نظر آگئی ہے۔ کہ پھوٹ سے اپنا نقصان اور دشمن کا فائدہ ہے۔ اس لئے اب تک بھی اگر کسی کو یہ حقیقت نظر نہیں آئی۔ تو اسے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیئے۔ اور سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ صوبائی تفرقے دشمن کے پیدا کردہ ہیں۔ اس لئے ہم اب ایسے تفرقوں سے بچیں گے۔ اور اکٹھے رہ کر بحیثیت مسلمان دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اس طرح پھر انشاء اللہ دشمن ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔ یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو جب جلایا تھا۔ تو میں نے لکھا تھا۔ کہ

جلتی جو نظر آئی ہے اقصیٰ کی عمارت
بدبخت یہودی کی شرارت ہے شرارت
ہوتے جو مسلمان کبھی ایک جہاں کے
کافر نہ کبھی کرتا یہ ناپاک جسارت!

حکایت نمبر ۷۷

ایک اعرابی اور اس کا کتّا

ایک اعرابی اپنے کُتے کو ساتھ لئے کسی سفر میں گیا راستے میں کتا نڈھال ہو کر گر پڑا۔ اور مرنے لگا۔ ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اس نے اعرابی کو روتے ہوئے دیکھا۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا۔ تو وُہ کُتے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ بھائی یہ میرا کتا مر رہا ہے۔ یہ میرا بڑا وفادار تھا۔ دن کو میرے لئے شکار لاتا تھا۔ رات کو میرے گھر کا پہرا دیتا تھا۔ اتنا بہادر اور دلیر تھا۔ گویا کتا نہیں۔ شیر تھا۔ افسوس اب یہ قریب المرگ ہے۔ کتے کو اس حال میں دیکھ کر میں رو رہا ہوں۔ اس شخص نے پوچھا۔ کیا یہ زخمی تھا یا بیمار تھا۔ اسے ہُوا کیا؟ بولا۔ بالکل تندرست تھا۔ اسے کوئی مرض نہ تھا ہاں دو دن سے یہ بھوکا تھا۔ بھوک سے نڈھال ہو کر گر گیا ہے۔ اور مر رہا ہے۔ اُس شخص نے اعرابی

کے پاس ایک گٹھڑی دیکھی۔ پوچھا اس میں کیا ہے
اعرابی بولا یہ میرا یہ زادِ راہ ہے۔ اس میں حلوہ و
نان ہے۔ گوشت اور کھانے پینے کا دوسرا سامان
ہے۔ اس نے کہا۔ اے نادان! اس میں سے اِسے
کچھ کیوں نہیں دیتے۔ تاکہ یہ بھوکا نہ رہے۔ آنکھوں سے
آنسوؤں کے تو دریا بہا رہے ہو۔ اور روٹی کا ایک
ٹکڑا اِسے نہیں دیتے۔ اعرابی نے جواب دیا۔ آنسو
بہانے میں تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ مگر روٹی کھلانے
میں خرچ ہوتا ہے۔ چونکہ میں سفر میں ہوں۔ اس
لئے مجھے پہلے اپنی جان بچانے کی فکر ہے

سبق

آجکل ایسے مسلمان بھی نظر آتے ہیں۔ جو
آخرت کے خوف سے خوب روئیں گے۔ وعظ سنیں
گے۔ تو نعرے لگائیں گے۔ سبحان اللہ۔ جزاک اللہ
کی آوازیں بلند کریں گے۔ لیکن اللہ کی راہ میں۔
کچھ خرچ کرنے کی تلقین کی جائے۔ تو پھر انہیں۔

سانپ سونگھ جاتا ہے۔ پھر نہیں بولتے۔ گویا ایسے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے نعرے لگوا لو۔ سبحان اللہ کہلوا لو۔ اور جتنا چاہے رُلا لو۔ مگر خدا کی راہ میں کچھ دینے سے بچالو۔ ایسے لوگ گر نذر مانتے ہیں۔ تو نوافل کی۔ سو نفل۔ دو سو نفل۔ لیکن غُربا کو کھانا کھلانے کی منت ہرگز نہ مانیں گے۔ اس لئے کہ کہیں پیسے خرچ نہ ہو جائیں۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو خدا کی عظمت و توحید پر وعظ کرتے پھرتے ہیں۔ اور بتاتے پھرتے ہیں۔ کہ وہی سب کا خالق وہی مالک ہے۔ وہی سب کچھ دینے والا ہے۔ لیکن خود اس کے نام پر صدقہ و خیرات کرنے ایصال ثواب کے لئے اس کے نام پر کچھ پکا کر غُربا کو کھلانے پلانے سے روکتے ہیں۔ اس کے نام پر کسی دن کسی تاریخ یا کسی وقت بھی نقد یا کچھ پکا کر خرچ کرنے کو بدعت کہہ دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں سے بافتہ افراد عید قربان پر جانوروں کی قربانی کا

خرچ بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان سب کا رونا۔ نعرے لگانا۔ اور وعظ سنانا۔ اور اپنے آپ کو قرآن و اسلام کا داعی بتانا اُسی عرب کے جھوٹے رونے کی مانند ہے۔ سے

ظاہری ہے دینداری کا جلوس!
لب پہ ہے فردوس اور دل میں خلوص

حکایت نمبر ۷

ایک لوہار اور اس کا کُتا

ایک گاؤں میں ایک لوہار تھا جس نے ایک کتا بھی پال رکھا تھا۔ لوہار کا کام دن بھر جاری رہتا اور ہر وقت ہتھوڑا بجتا رہتا تھا جس کی آواز دور دُور تک جاتی تھی۔ لوہار کا کتا دکان میں سارا دن سویا رہتا تھا۔ ہتھوڑے کی تیز آواز میں بھی اس کی آنکھ نہ کھلتی تھی۔ لیکن لوہار جس وقت

کھانا کھانے کے لئے بیٹھتا۔ تو کھانا کھاتے وقت لوہار کے منہ کی چپ چپ کی آواز سن کر کتا فوراً جاگ اٹھتا۔ لوہار نے ایک روز کتے سے کہا۔ کمال ہے۔ کہ۔ میرے ہتھوڑے کی آواز تو محلہ بھر کے لوگ سُن لیتے ہیں۔ لیکن تو نہیں سُنتا۔ اور کھاتے وقت میرے منہ کی آواز تجھے فوراً سُنائی دینے لگتی ہے۔ یہ تو بتا۔ کہ ہتھوڑے کی آواز تو کیوں نہیں سُنتا۔ اور لقمہ کی آواز تو کیسے سُن لیتا ہے؟ کتے نے جواب دیا۔ یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ مطلب کی آواز ہر کوئی۔ سُن لیتا ہے۔

سبق

آجکل کے مسلمان قرآن و حدیث۔ حمد و نعت۔ کی آواز پر تو سوئے رہتے ہیں۔ لیکن جھوٹے افسانوں فلمی غزلوں اور گانوں پر ان کی آنکھ کھل جاتی ہے نماز فجر کی اذان سُن کر تو آنکھ نہیں کھلتی۔ مگر بیڈٹی کے چائے کے کپ کی آواز سے فوراً آنکھ کھل جاتی۔

ہے ۔ رمضان شریف کے مہینے میں دن کو روزہ رکھنے کا حکم تو نہیں سنتے ۔ لیکن سحری کے وقت پراٹھے پکنے کی آواز سُن کر کھانے کے لئے جاگ پڑتے ہیں۔ سچ

اس میں کیا شک ہے کہ ہے سیدھی سی بات
ہر کوئی لیتا ہے سُن مطلب کی بات!

حکایت نمبر ۹۷

سگِ کوئے لیلیٰ

ایک دفعہ مجنوں ایک کتّے کو دیکھتے ہی اس کے قدموں پر گر پڑا ۔ وہ کتّے کے پاؤں چومنے لگا ۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا ۔ ارے مجنوں یہ کیا کر رہے ہو ؟ تمہیں معلوم نہیں کہ کتّا ناپاک ہے ۔ مردار خور ہے ۔ ہوش کرو ! مجنوں نے جواب دیا ۔ تمہیں ۔ کیا معلوم کہ یہ کتّا کون ہے ؟ اور میری نظر میں اس کتّا کا کیا مقام ہے ؟ اے معترض یہ کتّا کوچۂ لیلےٰ کا

پاسبان ہے۔ میں تو اس کی قسمت پر رشک کرتا ہوں
کہ یہ لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے۔ ؎

آں سگے کہ گشت در کویش مقیم
خاک پائیش بہ ز شیران عظیم!
آں سگے کہ باشد اندر کوئے او
من بہ شیراں کے دہم یک موئے او
آں کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش! والسلام

(۱)۔ اس کی گلی میں رہنے والے کتے کی
خاک پا شیران عظیم سے بہتر ہے۔
(۲)۔ اس کی گلی میں رہنے والے کتے کا ایک
بال بھی میں شیروں کے عوض نہیں دیتا
(۳)۔ میرا محبوب وہ ہے کہ جس کے کتوں
کے غلام شیر ہیں۔ باتیں کرنے کا امکان
نہیں۔ لہذا (اے معترض) خاموش رہ۔
والسلام۔

سبق

مجنوں کو لیلیٰ کا عشق تھا۔ اور وہ ہر اُس چیز سے جسے کچھ بھی نسبت لیلےٰ سے حاصل ہوتی۔ محبت کرتا تھا۔ اور عشق و محبّت سے بے بہرہ لوگ اس کی اس حرکت پر حیران ہوتے اور اُسے مجنوں کہتے تھے مسلمان کو اپنے محبوب آقا صلے اللہ علیہ و سلم سے بے پناہ محبّت ہے۔ اور وہ ہر اُس چیز سے جسے حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے کچھ بھی نسبت حاصل ہو۔ محبّت رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام۔ اہلِ بیت عظام اولیاء کرام و علماء عظام سے مسلمان اسی لئے محبّت و عقیدت رکھتا ہے کیونکہ اُنہیں حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے خاص نسبت حاصل ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے ایک محبِّ صادق اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ؎

تجھ سے در، در سے سگ، اور سگ سے ہے نسبت مجھکو
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا !!
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

اعلیٰحضرت نے مدینہ منورہ میں جو نعت لکھی۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ ؎

اُس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ!
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ ؎

سگت را کاش جامی نام بودے

یعنی یا رسول اللہ! اے کاش تیرے کتے کا نام جامی ہوتا۔

اس عقیدت و محبت کو دیکھ کر حضور کی محبت سے بے بہرہ لوگ کہتے ہیں۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ اور کیا لکھ رہے ہو۔ اور ان محبت کرنے والوں کو مجنوں

و مشرک کہنے لگتے ہیں۔ لیکن ان محبین کا جواب یہی ہوتا ہے۔ کہ محبوب مدینہ صلے اللہ علیہ و سلم کی گلی کا کتّا بھی بڑی شان رکھتا ہے؟ ہمارے نزدیک اس شہر کے کتّے بھی بڑے بڑے ان برائے نام مولویوں سے بھی جن کے دل میں حضور کی محبت نہیں بہتر ہیں۔ اس پیاری گلی کے کتّے کا ایک بال بھی ان محبّت سے خالی لوگوں سے زیادہ عظمت رکھتا ہے۔ اور جو بڑے بڑے اولیائے و علماء ہیں۔ وہ ان کتّوں کے بھی غلام ہیں۔ اے محبّت سے بے بہرہ لوگو! تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھئے۔ حضور وضوء فرماتے تو آپ کے وضوء کا پانی ہاتھوں میں لے کر اپنے مونہوں پر مل لیتے۔ حضور نے پوچھا۔ کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو فرماتے۔ حُبَّ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ (مشکواۃ شریف صفحہ ۴۰۱) یعنی یا رسول اللہ ہم آپ کی محبّت سے آپ کے جسم سے مس کیا ہوا پانی اپنے مونہوں پر مل لیتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ جس بات کا حضور نے حکم نہ بھی دیا ہو۔ وہ کام محبت میں کر لینا محبّت ہے

بلا حجت نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مکہ معظمہ کی قسم فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں۔ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ اور یہ قسم صرف اس لئے فرماتا ہوں۔ کہ اس شہر میں تم رہتے ہو۔ اور اسے تمہارے قدموں سے نسبت حاصل ہے۔ محبت کے ان مظاہروں کا محبت سے بے بہرہ لوگوں کو کیا پتہ؟ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اذان میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کو سُن کر یہ سمجھ کر کہ یہ نام پاک حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہے۔ چوم لینا محبت کا تقاضا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ داڑھی رکھنے کو بھی حضور سے نسبت حاصل ہے۔ لہٰذا محبت کا تقاضا یہ بھی ہے۔ کہ مسلمان داڑھی رکھیں۔ ان سب باتوں کا مظاہرہ حضور کی محبت کراتی ہے۔ اور محبت سے محروم لوگوں سے ان باتوں کی اُمید کہاں؟ ؎

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے!

حکایت نمبر ۸۰

کمہار کا گدھا اور شاہی گھوڑے

ایک غریب کمہار کا گدھا بہت کمزور تھا۔ خوراک کم اور کام زیادہ کی وجہ سے اس کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ چلتے ہوئے کمزوری کے باعث ہر قدم پر ٹھوکر کھاتا اور گر پڑتا تھا۔ شاہی اصطبل کے محافظ نے ایک روز اس گدھے کو دیکھا۔ تو ترس کھا کر کمہار سے کہا کہ تم یہ گدھا دو چار روز کے لئے میرے ساتھ اصطبل میں بھیجدو۔ وہاں گھوڑوں کی عمدہ خوراک اور شاہی خدمات پا کر یہ موٹا تازہ اور طاقتور ہو جائے گا۔ کمہار نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنا گدھا شاہی اصطبل میں بھیجدیا۔ گدھا جب شاہی اصطبل میں پہنچا۔ تو وہاں کی ٹھاٹھ اور گھوڑوں کے لئے شاہی انتظامات دیکھ کر اس کی تو آنکھیں کھل گئیں۔ کئی سائیں گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ جو وقت پر انہیں گھاس دیتے

تھے ۔ اور صبح و شام اُن کا بدن ملتے تھے ۔ ہر روز بھنگی آ کر ان کی لید و پیشاب کو اُٹھا کر فرش صاف ستھرا رکھتے تھے ۔ رات دن اُن کی خبر رکھی جاتی تھی ۔ اور وہ اتنے موٹے تازے اور خوشحال تھے ۔ کہ گدھے کے وہم میں بھی کبھی ایسی خوشحالی نہ آئی تھی ۔ یہ حال دیکھ کر گدھے نے اللہ سے عرض کی الٰہی ! ہے تو بے ادبی لیکن میں پوچھتا ہوں ۔ کہ پیٹ تو نے گھوڑوں کو بھی دیا ہے ۔ اور مجھے بھی لیکن میں تو بھوک سے مرتا رہا اور کمزور ہو گیا ۔ اور یہ گھوڑے طرح طرح کی شاہی غذاؤں سے موٹے ۔ تازے ہو گئے ہیں ۔ اس کا سبب کیا ہے ؟

اتفاقاً دوسرے ہی روز جنگ چھڑ گئی ۔ اور یہ سارے گھوڑے میدان جنگ میں بھیج دیئے گئے ۔ دوسرے روز جب یہ گھوڑے واپس اصطبل میں آئے گدھے نے دیکھا ۔ کہ سب کا بُرا حال ہو رہا تھا ۔ سب لہو لہان تھے ۔ اُن کے جسم میں تیر ابھی تک پیوست تھے ۔ خون اُن کا بند ہی نہیں ہو رہا تھا ۔ معالج آئے گھوڑوں کو لٹا کر تیر نکالے گئے ۔ زخموں پر پٹیاں باندھی

گئیں۔ اور وہ سب گھوڑے تکلیف سے بڑے بےچین نظر آنے لگے۔ گدھے نے یہ منظر دیکھا۔ تو سو بار توبہ کر کے اللہ سے کہنے لگا۔ الٰہی! میرے کل کے شکوہ کو معاف فرما۔ میں نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ میری غلط فہمی تھی۔ الٰہی! میری خطا معاف کر۔ اور مجھے اس اصطبل سے جلدی نکال۔ اس اصطبل سے مجھے اپنے کمہار کا گھر سو درجہ اچھا ہے۔ مجھے کوڑیوں پر چرنا اور بھوک سے مرنا منظور ہے۔ مگر یہاں رہنا منظور نہیں۔ اس شاہی غذا سے گھر کی روکھی پھیکی اچھی۔

سبق

خدا جس حال میں رکھے۔ اس پر قناعت کیجئے اس میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ جن کا علم ہمیں نہیں ہوتا۔ اگر آپ غریب ہیں۔ تو کسی امیر کو دیکھ کر خدا کا شکوہ ہرگز نہ کیجئے۔ اگر غور کیجئے۔ تو غریب اُن امیروں سے سو درجہ اچھے ہیں۔ غریب دن بھر

محنت کرتا ہے ۔ دو شام بھوک کے ساتھ سوکھی روٹی
بھی کھائے ۔ تو لذت پاتا ہے ۔ اور رات کو میٹھی نیند
سوتا ہے ۔ امیر دن میں کئی بار کھاتا ہے ۔ لیکن کھا
کھا کر معدے کا بیڑہ غرق کر چکا ہوتا ہے ۔ مرغ
مسلم بھی کھائیے ۔ تو لذت نہیں پاتا ۔ بلکہ بعض اوقات
ایسے امراض میں گھر جاتا ہے ۔ کہ ڈاکٹر اسے منع کر
دیتا ہے ۔ کہ یہ بھی نہ کھانا ۔ اور وہ بھی نہ کھانا
اور امیر بیچارہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کھانے سے
محروم رہ جاتا ہے ۔ رات کو سو بھی نہیں سکتا ۔ یہ
نئی نئی بیماریاں بھی ان جدت پسند امیروں کے لئے
ہیں ۔ ہارٹ اگر فیل ہوتے ہیں ۔ تو امیروں کے ۔ کسی
غریب کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا ۔ ہسپتالوں میں جائیے ۔
دیکھئے یہ ہسپتال امیروں کے قدم قدم سے آباد ہیں
لیکن کسی غریب کے نزدیک ایسی بیماریاں آتی ہی
نہیں ۔ ایک دہقان کا لطیفہ پڑھا تھا ۔ کہ اپنی زمین
میں ہل چلا رہا تھا ۔ اسے بخار ہو گیا ۔ اسی وقت ننگے
بدن زمین پر لوٹنے لگا ۔ ادھر ادھر دو چار کروٹ

بدلی کہ کہنے لگا۔ ارے بخار! میرے پاس آ کر تجھے کیا ملے گا؟ میرے پاس نہ کوئی لچک دار پلنگ ہے۔ نہ کوئی نرم بستر۔ جو اس پلنگ پر بچھا کر تجھے آرام پہنچاؤں۔ نہ میرے پاس کوئی پیسہ ہے۔ کہ کوئی مزیدار دوائی یا سیون اپ کی بوتل پلاؤں بیوقوف اگر خدمت کرانی ہے۔ اور اس طرح کے نخرے دکھا کر کچھ کھانا پینا ہے۔ تو کسی امیر کے گھر کا رُخ کر۔ یہاں تو یہی زمین کے ڈھیلوں پہ کروٹیں ہی تیرے لئے ہیں۔ وہ چار کروٹیں لیں۔ تو پسینہ آیا۔ اور اس کا بخار اُتر گیا۔ شام کو گھر لوٹا۔ تو اس کے پڑوسی امیر کو بخار ہو گیا۔ اس نے سُنا تو کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ بخار میں نے ہی بھیجا ہے۔ الغرض غریب آدمی ہزار درجہ امیر سے اچھا ہے۔ قیامت کے روز بھی زیادہ حساب امیروں ہی کو دینا پڑے گا۔ حدیث پاک کے مطابق امیروں سے پہلے غریب جنت میں پہنچیں گے۔ امیر اپنی بے شمار دولت کا حساب ہی دیتا ہو گا۔ کہ غریب اپنی چادر

جھاڑ کر جنت میں جا پہنچیں گے۔

ایک امیر نے فخریہ لہجہ میں ایک غریب سے کہا جو درجہ ہمارا ہے۔ تمہارا نہیں۔ غریب نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ امیر نے کہا دیکھو تو خدا ہم سے سو روپیہ میں سے اڑھائی روپیہ زکواۃ کے طلب فرماتا ہے۔ غریب نے کہا تمہاری بھول ہے۔ درجہ ہمارا بڑا ہے۔ اس لئے کہ خدا جو تم سے سو میں سے اڑھائی طلب فرماتا ہے یہ بھی تو دیکھو کہ طلب فرماتا کن کے لئے ہے؟ ظاہر ہے کہ ہم غریبوں کے لئے۔ قرض تو دوست دشمن دونوں سے لیا جا سکتا ہے۔ مگر لیا ہمیشہ دوستوں کے واسطے ہی جاتا ہے۔

اب بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ کہ جو شخص جتنا بڑا امیر ہے۔ اُتنا ہی زیادہ تفکرات کا اسیر ہے۔ اور جو جتنا غریب ہے۔ اُتنا ہی بے فکر ہے۔ پانچ پانچ سو کے نوٹ بند ہوئے۔ پھر دس دس اور پانچ پانچ کے۔ تو جتنی تکلیف امیروں کو ہوئی سب جانتے ہیں۔ کہ نوٹوں کے ساتھ ساتھ کئی امیروں

کے دل بھی بند ہو گئے۔ اور غریب ان تفکرات سے آزاد ہی رہا۔ خوب کہا شاعر نے کہ ؎

مجرد سب سے اعلےٰ ہے
نہ جورو ہے نہ سالا ہے

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ بعض لوگ دوسرے ملکوں کی امارت و برائے نام مساوات کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ اور اکثر کہتے رہتے ہیں۔ وہاں بڑے مزے اور عیش ہیں۔ کھانے پینے کی ہر چیز اور پہننے کے لئے کپڑا ہر ایک کو ملتا ہے۔ مگر انہیں اصل حقیقت کا پتہ وہاں پہنچ کر چلتا ہے۔ کہ ہر ایک سے گدھوں کی طرح کام لیا جاتا ہے۔ دن بھر محنت و مشقت کرا کے دو وقت کی روٹی۔ انہیں دے دی جاتی ہے۔ اصل دولت خزانے میں چلی جاتی ہے۔ اور لوگ جانوروں کی طرح دن بھر محنت کر کے حکومت کے چند لقموں سے پیٹ بھر کر سو جاتے ہیں۔ دوسرے روز پھر وُہی چکر۔ ایسے افراد کو اپنے وطن ہی کی طرف دیکھنا اور قناعت کرنا چاہیئے

ہم دیگر برائے نام ترقی یافتہ ممالک سے ہزار درجہ اچھے ہیں۔

حکایت نمبر ۱۸

اُونٹ اور چوہا

ایک اُونٹ نے صبح کے وقت اپنی مہار توڑ لی۔ اور کسی طرف چل پڑا۔ اس کی مہار زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔ راستے میں ایک چوہے نے دیکھا۔ کہ اونٹ کی مہار کھلی ہے۔ اور اونٹ بغیر کسی رہبر کے جا رہا ہے۔ چوہے نے سوچا۔ کہ اونٹ کی مہار میں پکڑ لوں۔ اور اونٹ کا رہبر بن کر اس کے آگے آگے چلوں۔ اس شوقِ رہبری میں چوہے نے اونٹ کی مہار پکڑ لی۔ اور اونٹ کے آگے آگے چلنے لگا۔ دل میں خوشی ہونے لگا۔ کہ میں آج اتنے بڑے اُونٹ کا رہبر بن

گیا ہوں۔ اونٹ نے یہ صورت دیکھی۔ تو وہ بھی چوہے کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد آگے ایک نالہ آگیا۔ جس میں پانی بڑے زور سے بہہ رہا تھا۔ چوہے نے نالہ میں پانی کا بہاؤ دیکھا۔ تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اور نالہ کے کنارہ پر کھڑا ہو گیا۔ اونٹ نے کہا۔ اے میرے رہبر کھڑے کیوں ہو گئے ہو۔ آگے بڑھو۔ چوہا بولا۔ کیا کروں۔ آگے نالہ ہے اور اس میں پانی بڑا گہرا ہے۔ اس لئے مجھے آگے بڑھتے ڈر لگتا ہے۔ اونٹ نے کہا۔ ٹھہرو! میں نالہ کے اندر جا کر دیکھتا ہوں۔ کہ پانی کی گہرائی کتنی ہے۔ چنانچہ اونٹ نے نالہ میں گھس کر دیکھا۔ تو پانی اس کے گھٹنوں تک تھا۔ باہر نکل کر چوہے سے کہنے لگا۔ اے میرے رہبر! گھبرا مت۔ پانی صرف گھٹنوں تک ہے۔ بغیر کسی خوف کے کود پڑو نالہ میں۔ چوہے نے کہا۔ واہ جناب واہ! پانی اگر گھٹنوں تک ہے۔ تو وہ آپ کے گھٹنوں تک ہے۔ میرے تو سر سے بھی کہیں

اُوپر تک پہنچ جائے گا۔ میں باز آیا آگے بڑھنے سے۔ اُونٹ نے کہا۔ تو اے چوہے! کیا اسی بل بوتے پر میری نکیل تھامی تھی اور میرے رہبر بنے تھے۔ چل ہٹ میرے آگے سے۔ تیری کیا مجال جو اس نالہ کو عبور کر سکے اسے عبور کرنا میرا کام ہے۔ نہ صرف یہ کہ میں خود ہی عبور کر سکتا ہوں۔ بلکہ تیرے جیسے سینکڑوں چوہوں کو اپنی پیٹھ پر بیٹھا کر نالہ عبور کرا سکتا ہوں۔

سبق

ایسے رہبر جو ہرگز رہبری کے لائق نہ ہوں۔ اگر کسی قوم کے رہبر بن جائیں۔ تو اس کا قوم کا خدا ہی حافظ۔ رہبری اور پیشوائی کا جسے شوق ہو۔ اُسے رہبری کے آداب و فرائض بھی نبھانے چاہئیں۔ چوہے کی طرح ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ مشکل وقت آجائے۔ تو رہبر صاحب بھٹک کر

رہ جائیں اور قوم سے کٹنے لگیں۔ کہ میں آگے جانے سے رہا۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ آج کل رہبری و لیڈری کا شوق تو عام ہے۔ اور قوم کے خادم ہونے کا کئی لوگ اعلان بھی کرتے ہیں۔ لیکن قوم کی رہبری کرنا آسان نہیں لیڈر بننے کے لئے پہلے فنا فی القوم ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ ابتداء میں اُچھل اُچھل کر خدمتِ قوم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کی مثال فوّارہ کی ہے۔ جو اُچھلتا بہت ہے۔ لیکن آخر کار بیٹھ جاتا ہے۔ اُچھلنے کے بعد سر کے بل نیچے گر جاتا ہے۔ سچے رہبر و لیڈر کی مثال چشمہ کی ہے۔ جو پتھروں کو شق کرتا ہوُا سرنگوں ہو کر ہر پتھر کے قدم چھوتا ہوُا اور سر جھکائے خاک پر چلتا ہے اور اپنے فیض سے لوگوں کو نہال کر دیتا ہے۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ کے مطابق لیڈر قوم کا خادم ہوتا ہے نہ کہ مخدوم۔ وزیر کا ترجمہ ہے۔ بوجھ اُٹھانے والا۔ یعنی وزیر کے کاندھے پر قوم کا بوجھ

آپڑتا ہے۔ لیکن اس اُلٹے زمانہ میں وزیر وُہ ہے۔ جو قوم پر بوجھ ڈالے۔ سلیمان علیہ السلام کو جب ایک بے مثال حکومت ملی۔ تو سارے پرند و چرند اور دیگر جانور بھی مبارک دینے آئے لیکن چیونٹی مبارک دینے نہ آئی۔ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کو طلب فرمایا۔ اور پوچھا۔ تم مجھے مبارک دینے کیوں نہ آئی؟ چیونٹی نے جواب دیا۔ حضور! جب سے میں نے سنا ہے۔ کہ حکومت کا بوجھ آپ پر آپڑا ہے۔ میں تو اس وقت سے رو رہی ہوں۔ اور پریشان ہوں۔ کہ یہ آپ کس مشکل میں پھنس گئے۔ اب تو آپ کو دن رات اپنی رعایا کی خبر رکھنی پڑے گی۔ ان کے دُکھ درد کا تدارک آپ کو کرنا ہوگا۔ کوئی بھوکا رہ گیا۔ پرسش آپ سے ہوگی۔ کسی پر ظلم ہوُا۔ تو ظالم سے آپ کو نپٹنا پڑے گا۔ الغرض ساری رعایا کا خیال رکھنا آپ پر لازم ہو گیا ہے۔ میں تو دُعا کر رہی ہوں۔ کہ الٰہی! میرے آقا کی مشکلات میں

مدد کرنا۔ چیونٹی کی یہ بات سُن کر حضرت سلیمان علیہ السّلام رونے لگے۔ اور فرمایا۔ سچی بات تمہی نے کی ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ اقتدار ملنے پر روتے تھے اور آج کل کے بزرگ اقتدار نہ ملنے پر روتے ہیں۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ اپنے دورِ خلافت میں رات بھر مدینہ منورہ کا پہرہ دیتے۔ اور دن بھر خدمتِ خلق میں رہتے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ میں اگر رات کو سو رہوں۔ تو خدا کو کیا منہ دکھاؤنگا اور اگر دن کو سو جاؤں۔ تو رعایا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ ایک مرتبہ احباب نے عرض کیا۔ حضور! اپنی حفاظت کے لئے کچھ لوگ اپنے ساتھ رکھیں۔ فرمایا رعایا کا یہ فرض نہیں کہ وہ حاکم کی حفاظت کرے۔ یہ تو حاکم کا فرض ہے۔ کہ وہ رعایا کی حفاظت کرے۔ یہ تھے سچے رہبر۔ مگر آج ع

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آجکل جب کہ قرآنِ پاک سے شغف نہیں رہا بعض چوہے جو یورپ کی

بل سے نکل کر پھیل رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی چوہا نکلتا ہے تو قرآن پاک کے آگے لگ کر اپنے آپ کو متجدّد و مفسّر سمجھ کر قرآن کو اپنے پیچھے چلانا چاہتا ہے اور قرآن پاک کی تفسیر نئے رنگ میں پیش کرنے لگتا ہے۔ مگر چلتے چلتے جب معجزات کا دریا سامنے دکھائی دینے لگتا ہے تو یورپین چوہا ٹھٹک کر رہ جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھ سکتا اس وقت قرآنِ پاک کا گویا یہ ارشاد۔ ہوتا ہے کہ آگے بڑھو! اس معجزات کے دریا سے گزرنا کوئی مشکل نہیں۔ لیکن چوہا کہتا ہے جناب! آپ کے لئے تو مشکل ہیں لیکن میرا تو بیڑہ غرق ہو جائے گا۔ یہاں پھر قرآن کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ارے کم بخت! کیا اسی بل بوتے پر میرے آگے لگ گئے تھے! آؤ اس معجزات کے دریا سے گزرنا ہے تو میرا سہارا لو اور میرا دامن پکڑو۔ میں تم جیسے ہزاروں کو اس دریا سے پار کر سکتا ہوں۔ پار لگتا ہے۔ تو میرے پیچھے چلو۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک اس لئے نہیں آیا کہ ہم اس کے آگے لگ کر اپنی من مانی تفسیر کرنے لگیں بلکہ وہ اس لئے آیا ہے کہ ہم اس کے پیچھے لگیں اور اس کے سہارے معجزات و مشکلات کے دریا عبور کرتے چلیں مگر آہ ؎

کچھ ایسا انقلاب اس دور میں اے دوست آیا ہے
کہ قرآنِ مقدس کو مسلماں نے بھلا یا ہے

حکایت نمبر ۸۲

خچر اور اونٹ

ایک بار ایک خچر نے اونٹ سے پوچھا۔ کہ میں کوہ و صحرا اور کوچہ و بازار میں منہ کے بل گر پڑتا ہوں۔ بالخصوص چڑھائی سے اترائی کی طرف چلتے ہوئے اس بری طرح گرتا ہوں۔ کہ لہو لہان ہو جاتا ہوں۔ اور مجھ پر اگر سامان لادا

جائے۔ تو کرایہ دار سے میں مار بھی کھاتا ہوں۔ مگر اے اُونٹ! تو کبھی نہیں گرا۔ حالانکہ میں بھی چوپایہ اور تو بھی چوپایہ۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

اُونٹ نے خچّر کو جواب دیا ؎

سر بلندم من دو چشم من بلند
بینشِ عالی امان است از گزند

اے خچّر! میرا سر بلند اور نظر عالی ہے۔ میں اپنی بُلند نظری سے ہر اُونچی نیچی راہ کو دیکھ لیتا ہوں۔ اور دُور تک کا راستہ میری نظر میں ہوتا ہے۔ اور دُوسری بات یہ ہے خچّر! ؎

زانکہ من ہستم ز اولادِ حلال
نے ز اولادِ زنا، اہلِ ضلال!

میں اولادِ حلال ہوں۔ حرامی نہیں ہوں ؎

تو ز اولادِ زنائی بے گماں!!
تیر کشتہ چو کژ باشد کماں

مگر تو اولادِ زنا ہے۔ پھر جب کمان ہی ٹیڑھی ہو تو تیر سیدھا کیسے جا سکتا ہے؟

سبق

خچر کا یہ سوال اونٹ سے ایسا سمجھئے۔ جیسے کوئی بدکار کسی ولی اللہ سے پوچھے۔ کہ میں تو گناہوں کی دنیا میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوں۔ اور لعن و طعن کی مار بھی کھاتا ہوں۔ مگر تم نے کبھی ایسی ٹھوکر نہیں کھائی۔ حالانکہ تم بھی میری مثل انسان ہو۔ اس کے جواب میں ولی اللہ کا جواب یہی ہے۔ کہ اے بدکار! ہمیں اللہ نے سربلندی عطا فرمائی ہے۔ اور ہماری نظریں عالی ہیں۔ اتنی عالی کہ مولانا رومی ہی کے بقول ؎

آنچہ خواہد بود بعد شصت سال
داند اندر حال آں نیکو خصال

ساٹھ سال کے بعد بھی جو ہونے والا ہو۔ اللہ والوں کی نظریں وہاں تک جا پہنچتی ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ ان اللہ والوں کی برابری کا کبھی دم نہ بھرنا چاہیئے۔ اور انہیں اپنی مثل نہ سمجھنا

چاہیئے۔ کیونکہ یہ اللہ والے تو عالی نظر ہیں۔ پھر جو خچر کی طرح پست نظر ہو۔ وہ اُن کی مثل کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ جب۔ اولیاء کرام اتنے بلند نظر ہوتے ہیں۔ تو پھر انبیاءؑ کرام علیہم السّلام اور پھر ان کے بھی سردار حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی نظر کی وسعت و بلندی کا کیا عالم ہو گا! چنانچہ حضور خود فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ اِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔ (مواہب لدنیہ ج۲ صـ۱۹۳)

یعنی اللہ نے ساری دُنیا میرے سامنے کر دی ہے۔ اور میں ساری دُنیا کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ ان سب واقعات کو اسطرح دیکھ رہا ہوں جسطرح اس اپنی ہتھیلی کو۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔ کہ میں مشرق و مغرب کو دیکھ رہا ہوں۔ اور تیسری میں فرمایا میں یہاں فرش پر رہ کر جنّت اور حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ ہے حضور کی عالی نظری پھر جو بغیر عینک لگائے اپنے گھر کی راہ بھی نہ دیکھ سکے۔ وہ ان کی مثل بن کر گمراہ ہُوا یا نہ؟

اُونٹ نے خچر کو جو دوسرا جواب دیا تھا اُسے بھی قرآن کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے ایک کافر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت گستاخ تھا۔ اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ۔ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ اَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ
بہت طعنے دینے والا۔ بہت اِدھر اُدھر لگاتا پھرنے والا۔ حد سے بڑھنے والا۔ گنہ گار۔ اس سب پر طرہ یہ کہ حرامی۔

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ اس کافر کا نام ولید بن مغیرہ تھا۔ اور اس نے ماں سے پوچھا۔ تو ماں نے بھی اقرار کیا۔ کہ تو حرامی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں ان مقربین حق کو کبھی اپنی مثل نہ جانو۔ میں نے لکھا ہے۔ ؎

تو دانائے ماکان اور مایکون ہے
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں
بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں جو
تجھے اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں

حکایت نمبر ۸۳

مینڈھا۔ گائے اور اونٹ

ایک دفعہ مینڈھا۔ گائے اور اونٹ اکٹھے کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں گھاس کا ایک گٹھا

نظر آیا۔ مینڈھے نے کہا ہم تینوں بھوکے ہیں۔ اگر اس گٹھے کو ہم نے تینوں پر تقسیم کر لیا۔ تو ہم سے کسی کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے جس کی عمر سب سے زیادہ ہو۔ وہ اکیلا ہی اس کو کھالے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چھوٹے بڑوں کو مقدم رکھیں۔ اب اے دوستو! آؤ ہم اپنی اپنی عمر بتائیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ ہم میں سب سے بوڑھا کون ہے؟

گائے اور اونٹ نے کہا۔ سب سے پہلے تو ہی اپنی عمر بتا۔ مینڈھا بولا۔ میری عمر کا کیا پوچھتے ہو۔ حضرت اسماعیل کو ذبح کرتے وقت جو مینڈھا جبریل لائے تھے اور بجائے اسماعیل کے وہ مینڈھا ذبح ہو گیا تھا میں اس مینڈھے کا بڑا بھائی ہوں۔

گائے بولی۔ کہ حضرت آدم علیہ السّلام جب زمین پر تشریف لائے۔ تو سب سے پہلے جو آپ نے ہل چلایا۔ ہل کے آگے جو جوڑی تھی۔ اس

جوڑی میں سے ایک میں ہوں۔

اونٹ نے ان کی یہ لایعنی باتیں سنیں۔ تو فوراً اپنی گردن جھکا کر گھاس کے گٹھے کو ہڑپ کر گیا۔ پھر کہنے لگا۔ مجھے اپنا زمانۂ پیدائش یاد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرا جسم اور گردن اتنی بڑی ہے۔ کہ بغیر کسی دلیل کے دیکھنے والا یہی کہے گا۔ کہ سب سے بڑا میں ہوں۔ مینڈھا اور گائے موہنہ دیکھتے رہ گئے۔ اور اونٹ نے اپنا پیٹ بھر لیا۔

سبق

ایک مسٹر منکرِ حدیث۔ ایک بے ادب منکرِ فقہ اور ایک با ادب اہلِ سُنت کو اسلامی گٹھا نظر آجائے۔ اور اُن میں یہ بحث چل نکلے۔ کہ اس قدیمی ذخیرہ کا داعی ہو۔ وہ اس اسلامی گٹھے کو اٹھالے یعنی صحیح معنوں میں وُہی مسلمان ہوگا۔ بے ادب منکرِ فقہ بولا۔ میں فقہ سے بھی

پہلے کی جو حدیث ہے۔ اس سے تعلق رکھتا ہوں لہذا یہ گٹھا میرا۔ مسٹر منکرِ حدیث بولا۔ میں حدیث سے بھی پہلے جو قرآن ہے۔ اس سے تعلق رکھتا ہوں۔ لہذا یہ گٹھا میرا۔ با ادب اہلِ سنت نے اسلامی گٹھے کے سامنے فوراً اپنا سرِ ادب جھکایا۔ اور اُسے چوم کر اُٹھا لیا۔ اور کہا میری اسلامی وضع قطع ادبِ نبوی اور تعظیم رسول اتنی مشہور ہے۔ کہ دیکھنے والا بغیر کسی دلیل کے یہی کہیگا۔ کہ صحیح معنوں میں مسلمان یہی ہے۔

علاوہ ازیں آجکل جسقدر نئے نئے بد عقیدہ فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ اہلِ سنت کے مقابلہ میں ان سب کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اور اہلِ سُنت بفضل اللہ سوادِ اعظم ہیں۔ اتنی بڑی کثرت اہلِ سنت کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ سابقہ نبیوں کی ساری امتوں سے زیادہ میری امت ہوگی تو اہلِ سُنت کی یہ کثرت ہی بتا رہی ہے۔ کہ حضور

کے سچے اُمتی یہی ہیں۔ اور اسلامی گٹھا اِنہی کا ہے۔ دوسروں کے سب دعوے بناوٹی ہیں۔

حکایت نمبر ۸۴

بھیڑ اور بھیڑیا

ایک بھیڑ چھت پر کھڑی تھی۔ اس نے نیچے گلی میں ایک بھیڑیئے کو جاتے دیکھا۔ بھیڑ نے چھت پر سے بھیڑیئے کو گالیاں دینی شروع کیں بھیڑیئے نے اوپر دیکھا۔ تو بھیڑ نظر آئی۔ جو اُسے مسلسل گالیاں دے رہی تھی۔ بھیڑیا دم بخود وہاں کھڑا رہا اور گالیاں سُنتا رہا۔ بھیڑیئے کے ساتھ ایک لومڑی بھی تھی۔ لومڑی نے بھیڑیئے سے کہا۔ جناب! دیکھا آپ نے بھیڑ آپ کو کس قدر گالیاں دے رہی ہے۔ بھیڑیئے نے کہا۔ بھیڑ کی کیا طاقت کہ وہ مجھے گالیاں دے

یہ تو چھت گالیاں دے رہی ہے۔

سبق

اِقتدار کی چھت پر چڑھ کر مولوی کو گالیاں دینا بھی اسی قصہ کے مطابق ہے۔ اگر کوئی ملحد اقتدار کی چھت پر کھڑے ہو کر مولوی کو گالیاں دیتا ہے۔ تو یہ گالیاں ملحد نہیں دیتا۔ بلکہ اقتدار کی چھت گالیاں دیتی ہے۔ ؎

اگر منظور ہے تکمیلِ فیشن
تو اک دو گالیاں ملّا کو دے لے

حکایت نمبر ۸۵

ایک گیدڑ

ایک گیدڑ اتفاقاً شہر میں آ نکلا۔ اور ایک رنگریز کے برتن میں گر پڑا۔ رنگریز نے اُس

برتن میں کپڑے رنگنے کے لئے کئی رنگ گھول رکھے تھے۔ گیدڑ جو اس برتن سے باہر نکلا تو اُس نے دیکھا۔ کہ اس کی کھال رنگین ہو گئی تھی۔ کہنے لگا واہ واہ میں تو اب مور بن گیا ہوں دھوپ نکلی۔ تو اس کی کھال کے رنگ خوب چمکنے لگے۔ گیدڑ نے جب دیکھا۔ کہ اس کی کھال سبز۔ پیلے اور لال رنگوں سے مزّین ہے۔ تو جنگل میں واپس آ کر دوسرے گیدڑوں کے سامنے اکڑ اکڑ کر چلنے لگا۔ اور سب سے الگ رہنے لگا۔ سب نے اس سے کہا۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا۔ کہ نہ ہم سے بات کرتے ہو۔ نہ ہم میں بیٹھتے ہو۔ یہ تکبر تم میں کیوں پیدا ہو گیا۔ رنگین گیدڑ نے ان سے کہا۔ میری رنگین کھال کو دیکھو۔ اور سمجھو میں کون ہوں۔ خبردار! اب مجھے گیدڑ کہہ کر نہ پکارنا۔ میں اب گیدڑ نہیں۔ مور ہوں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا اگر تم مور ہو تو ناچ کر دکھاؤ۔ کیونکہ مور باغ میں ناچتے ہیں۔ اس نے کہا۔

میں کبھی جنگل میں بھی نہیں ناچا پھر باغ۔ میں ناچنے کا اقرار کیوں کروں۔ تم ناچ کو چھوڑو میری رنگین کھال کو دیکھو مور جیسی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا۔ اچھا مور کی بولی ہی بولو۔ کہنے لگا۔ بولی کو بھی چھوڑو۔ تم میرا رنگ دیکھو۔ اب سارے گیدڑوں نے غصّے میں آ کر کہا۔ ارے بیوقوف جب موروں کا کوئی کمال تجھ میں نہیں۔ نہ ناچ سکتے ہو۔ اور نہ ہی مور کی بولی بول سکتے ہو۔ تو محض موروں کا سا رنگ پا کر اپنے نیک مور ہونے کا گمان نہ کر ؎

زانکہ طاؤساں کنندت امتحاں
خوار و بے رونق مانی در جہاں

اِس لئے کہ جب مور تیرا امتحان کریں گے تا دُنیا میں تو ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

سبق

آجکل منتہان اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہو کر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے برتن میں گر پڑا ہے۔ کلمے کا رنگ اس پر چڑھ گیا ہے۔ اور یہ صرف کلمہ پڑھ لینے کے بعد اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے لگا ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ کہا جائے۔ کہ اگر تم مسلمان ہو تو مسلمان تو مسجد میں نماز پڑھا کرتے ہیں۔ تم بھی نماز پڑھ کر دکھاؤ۔ تو کہتا ہے۔ میں نے نماز کبھی گھر میں بھی نہیں پڑھی پھر مسجد میں پڑھنے کا اقرار کیوں کروں۔ تم نماز کو چھوڑو۔ کلمے کا رنگ دیکھو۔ مسلمانوں کی طرح کلمہ پڑھتا ہوں یا نہیں۔ پھر اگر کہا جائے۔ اچھا مسلمان تو قرآن پڑھا کرتے ہیں۔ قرآن کی کوئی آیت ہی سناؤ۔ تو کہتا ہے۔ قرآن سنانے کی بات بھی رہنے دو۔ کلمے کا رنگ دیکھو۔ اچھا بھئی! ماہ رمضان میں روزے ہی رکھو۔ کیونکہ مسلمان اس ماہ میں روزے رکھتے ہیں۔ تو کہتا ہے۔ روزہ کی بات بھی چھوڑو بس میرے کلمے کا رنگ دیکھو۔ اب یہاں اسلام کو غصہ آ جائے گا۔ اور وہ فرمائے گا۔ ارے بیوقوف

جب تم میں مسلمانوں کا کوئی کمال اور اسلامی اعمال ہی نہیں۔ تو محض کلمے کا رنگ پا لینے سے اپنے اُوپر مسلمان ہونے کا گمان کیوں کر رہے ہو ؎

نہیں تجھ میں اعمالِ اسلام گر
مسلمان ہونے کا دعویٰ نہ کر

یہ بھی معلوم ہُوا۔ کہ بعض لوگ ہمارے ہی ووٹوں سے اسمبلی کے رنگین برتن میں جا گرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے آپ کو ہم سے بڑا سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم سے بات کرنے کے بھی روادار نہیں رہتے۔ اور کہتے ہیں۔ بھئی! اب ہمیں اپنے جیسا نہ سمجھو۔ اب ہم ممبر ہیں ممبر۔ اچھا صاحب! اگر آپ ممبر ہیں۔ تو ہماری فلاں مشکل حل کر دیجئے جواب ملے گا اس بات کو اب چھوڑو۔ اور ہمیں ممبر سمجھو۔ دیکھتے نہیں۔ ہم اسمبلی کے رنگ سے رنگین ہیں۔ ووٹر تنگ آکر پھر یہی کہیں گے. کہ جناب اگر آپ ممبر بن کر ہمارے کام نہ آئے تو آپ کا ممبر کہلانا بیکار ہے ؎

وڈیروں کے کام جو آتا نہیں
ایسا ممبر تو ہمیں بھاتا نہیں

حکایت نمبر ۸۶

سانپ کا چور

ایک سپیرا چوک میں تماشا دکھا رہا تھا۔ اس کا سانپ بڑا خوبصورت تھا۔ دوسرے سپیرے نے دیکھا تو دل میں ارادہ کر لیا۔ کہ آج رات اس کے گھر سے یہ سانپ چرا لاؤنگا رات پڑی تو موقع پا کر چور سپیرے نے دیوار میں نقب لگائی۔ اندر گیا اور جس تھیلی میں سانپ بند تھا، اُسے چرا کر اپنے گھر لے آیا۔ سانپ ہر آٹھویں دن مستی میں آجایا کرتا تھا جو انسان بھی اُسے نظر آجاتا، مستی کے دن وہ اُسے ڈس لیا کرتا تھا۔

سانپ کا اصلی مالک صبح اٹھا۔ تھیلی کو گم پا کر وہ بہت پریشان ہُوا۔ خُدا سے دعا مانگنے لگا۔ الٰہی! میرا سانپ مجھے واپس دلا دے! ورنہ میں اس کے بغیر بیکار ہو جاؤں گا۔ ادھر سانپ کے چور نے صبح سانپ دیکھنے کے لئے تھیلی میں ہاتھ ڈالا۔ اتفاقاً وہ سانپ کی مستی کا دن تھا۔ سانپ نے جھٹ چور کو ڈس لیا۔ سانپ کا چور اسی وقت مُنہ کے بل گرا اور بغیر پانی مانگے مر گیا۔ سانپ کے مالک نے جب چور کا انجام سُنا تو سجدہ میں گر پڑا۔ اس نے کہا۔ الٰہی! تیرا شکر کیسے ادا کروں کہ تو نے سانپ کی مستی سے مجھے بچا لیا۔ اگر سانپ چوری نہ ہوتا یا واپس مل جاتا تو شاید یہ مجھ کو کاٹ لیتا اور میں مر جاتا۔

سبق

اللہ کے ہر کام میں حکمت مضمر ہوتی ہے۔

بعض اوقات ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اس میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ یہ کہنا کہ خدا نے میری دُعا قبول کیوں نہیں کی؟ بڑی نادانی کی بات ہے۔ جو کچھ خدا جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ وہ جو ہماری دُعا قبول نہیں فرماتا۔ اس میں بھی ہمارا فائدہ مضمر ہوتا ہے۔ دُعا مانگنا ہمارا کام ہے۔ قبول فرمانا یا نہ فرمانا یہ خدا کی رضا ہے۔ اسی کی رضا بہر حال ہمارے لئے مفید ہے

یہ بھی معلوم ہُوا کہ چور کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ یہ انجام چاہے فوری طور پر ظاہر ہو یا دیر سے، بہر حال بُرا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ انسان کا نفس بھی ایک خوبصورت سانپ ہے۔ جب یہ مستی میں آکر انسان کو ڈستا ہے تو انسان کا ایمان تک جاتا رہتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اسے تقوٰی کی تھیلی میں بند کر کے رکھنا چاہیئے اور کبھی اس تھیلی میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہیئے۔ بلکہ اس تھیلی کا منہ کبھی

کھولنا ہی نہ چاہیئے ۔ تاکہ یہ مر ہی جائے اور انسان اس کے خطرے سے محفوظ ہو جائے ؎

نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا؟
بڑے موذی کو مارا نفسِ اماّرہ کو گر مارا

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ مال کے نقصان پر پریشان نہ ہونا چاہیئے ۔ ہو سکتا ہے کہ جان پر آنے والی بلا کو خدا تعالےٰ مال کے نقصان کے ذریعہ ٹال رہا ہو ۔ اسی لئے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گفت لَا تَأْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ
اِنْ اَتٰی السِّرْحَانُ اَرْدٰی شَاتَکُمْ
گر بلا آید ترا اندوہ مبر!
ور زیاں بینی غمِ او را مخور
راحتِ جاں آمد اے جاں فوتِ مال
مال چوں جمع آمد اے جاں شد وبال
ہر چہ از تو یا وہ گردد از قضا!
تو یقیں داں کہ خریدت از بلا

(۱)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کوئی چیز گم ہو جائے تو افسوس نہ کر
اگر بھیڑیا آکر بھیڑ کو ہلاک کر جائے۔
(تو افسوس نہ کر)

(۲)۔ تجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو غم نہ
کر اور اگر نقصان کا سامنے کرے۔
تو اس کا غم نہ کر۔

(۳)۔ اے جان! مال کا گم ہو جانا تو جان
کی راحت ہے۔ کیونکہ جب مال جمع
ہو جائے تو وبال ہوتا ہے۔

(۴)۔ دستِ قضا تجھ سے کوئی چیز چھین لے
تو یقین کر کہ اس نے تجھے مصیبت
سے نجات دے دی

حکایت نمبر ۸۷

تین مچھلیاں

ایک دریا کے پاس پانی کے چند گڑھے تھے ایک گڑھے میں تین مچھلیاں رہتی تھیں۔ ایک تو ان میں سے بڑی عاقل تھی۔ دوسری نیم عاقل اور تیسری احمق تھی۔ ایک دن ایک ماہی گیر نے اس گڑھے میں تینوں کو دیکھ لیا۔ اور کہنے لگا کل جال لاؤں گا۔ اور ان تینوں مچھلیوں کو پکڑ کر لے جاؤں گا۔ عاقل مچھلی نے دونوں سے کہا۔ تم نے سنا۔ یہ ماہی گیر ہمیں دیکھ کر کیا کہہ گیا ہے۔ میری رائے یہ ہے۔ کہ آج ہی ہم تینوں رات بھر گرتی پڑتی۔ اس گڑھے سے نکل کر دریا میں چلی جائیں ورنہ کل ماہی گیر آکر ہمیں پکڑ لے گا۔ نیم عاقل مچھلی نے کہا۔ ہاں میں نے بھی ماہی گیر کی بات

سنی ہے۔ مگر مجھے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
کا ارشاد بھی یاد ہے۔ کہ حبِ وطن جزوِ ایمان
ہے۔ اس لئے میں تو اپنا وطن ہرگز نہ چھوڑوں
گی۔ عاقل نے جواب دیا۔ کہ ارشاد نبی (صلی
اللہ علیہ وسلم) مجھے بھی یاد ہے۔ مگر یہ تمہاری
غلط فہمی ہے۔ کہ تم نے اس عارضی پانی کو اپنا
وطن سمجھ لیا ہے۔ تیسری مچھلی جو احمق تھی۔
وہ کہنے لگی۔ تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو۔ میں
کسی صورت ماہی گیر کے ہاتھ آہی نہیں سکتی
وہ کل اگر ہزار جتن کر کے دیکھ لے۔ میں کبھی
اس کے ہاتھ نہ آؤں گی۔ عاقل نے کہا۔ میں
نے تو تمہیں سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ تم جاؤ
یا نہ جاؤ۔ میں تو دریا کو چلی۔ چنانچہ وہ گرتی
پڑتی۔ دریا کی طرف چل پڑی۔ اور خدا کی
مدد سے آخر دریا تک پہنچ گئی۔ دوسرے روز
ماہی گیر آگیا۔ اور اس نے جال گڑھے میں
پھینکا۔ دونوں مچھلیاں اس کے جال میں

آ گئیں۔ نیم عاقل نے یہ تدبیر کی کہ اپنا دم گھونٹ کر مُردہ بن گئی۔ ماہی گیر نے اُسے مُردہ سمجھ کر دریا کی طرف پھینک دیا۔ وُہ ایک زقند لگا کر دریا میں کود گئی اور بچ گئی۔ تیسری احمق مچھلی نے جب اپنے آپ کو پھنسا ہُوا دیکھا۔ تو رونے لگی۔ اور پچھتانے لگی۔ کہ میں نے کیوں عاقل کی نصیحت نہ سنی۔ اور کیوں نہ اس پر میں نے عمل کیا۔ اگر میں اس کا کہا مان لیتی تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

سبق

شیطان ہر وقت ہماری تاک میں ہے۔ وہ ہمیں اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔ انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ عاقل۔ نیم عاقل۔ اور احمق۔ عاقل وہ ہیں جو نفسانی خواہشات کے گڑھے سے نکل کر زہد و تقویٰ کے دریا میں چلے

جاتے ہیں۔ اُن کے لئے خُدا فرماتا ہے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

بیشک میرے بندوں پر تیرا۔
(شیطان کا) کچھ قابو نہیں (پ۱۴ ع ۳)

اور جو نیم عاقل ہیں وہ ابتداء میں شیطان کے قابو میں آجاتے ہیں لیکن پھر ھُوْتُوْا۔ اُن تُسُوْتُوْا پر عمل کرکے توبہ کی جست لگا کر دریا میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ہو نہ جاتے ہیں۔ اُن کے لئے اللہ فرماتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (پ۶ ع ۱۰)

جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے۔
اور سنور جائے۔ تو اللہ اپنی
مہر سے اس پر رجوع فرمائیگا
بیشک اللہ بخشنے والا مہربان
ہے۔

اور جو احمق ہیں۔ وہ مکمل طور پر شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اور بڑھاپے تک گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ فرماتا ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ
ذِكْرَ اللهِ أُولٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ
أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ

ان پر شیطان غالب آگیا —
تو اُنہیں اللہ کی یاد بُھلا دی۔
وہ شیطان کا گروہ ہیں۔ سنو
بیشک شیطان ہی کا گروہ
خسارے میں ہے۔ (پ ۲۸ ع ۳)

مسلمانو عاقل بنو۔ اگر آجتک عقل سے کام نہیں لیا۔ تو اب بھی وقت ہے۔ کہ توبہ کی جست لگا کر خدا کی رحمت کے دریا میں پہنچ جاؤ۔ ورنہ احمق بن کر شیطان کے جال میں پھنس کر جہنم کی آگ میں بُھننا پڑے گا۔

بچیئے شیطانِ لعیں کے جال سے
توبہ کر لیجئے بُرے اعمال سے

حکایت نمبر ۸۸

شاہی باز اور ایک بڑھیا

ایک دفعہ ایک بادشاہ کا باز شاہی محل سے اُڑ کر کسی بڑھیا کی جھونپڑی میں چلا گیا۔ بڑھیا نے باز کو دیکھا۔ تو بڑی خوش ہوئی اور اُسے پکڑ کر کہنے لگی۔ اتنا خوبصورت پرندہ اور اُس کا یہ بُرا حال؟ ناخن ہیں۔ تو بہت لمبے۔ کسی نے اُنہیں تراشا ہی نہیں۔ پر ہیں تو وہ بھی بہت لمبے۔ کسی نے انہیں کاٹا ہی نہیں۔ یہ پرندہ کسی جاہل کے پاس رہا ہوگا۔ یہ کہہ کر اُٹھی۔ قینچی لا کر باز کے ناخن تراش دیئے۔ اور پر بھی کاٹ ڈالے۔

اور بڑی خوشی ہوئی۔ کہ میں نے اُس کی اصلاح کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ بھی باز کی تلاش میں وہاں آ پہنچا۔ جب اپنے باز کا یہ حال دیکھا۔ تو رونے لگا۔ اور کہنے لگا ؎

ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز
آں رسد با او کہ باآں شاہباز

جو کسی جاہل کی صحبت اختیار کرے گا۔ اس کا بھی وُہی حال ہوگا۔ جو اس باز کا ہُوا۔

سبق

خدا کا پسندیدہ دین اسلام جو ہمارے اس ماڈرن دَور کی کوٹھی میں پہنچا۔ تو مغربی تہذیب کی بڑھیا نے جب اس کے مجاہدانہ ناخن اور عبادت و معرفت کے پر دیکھے۔ اور اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے کے منہ پر داڑھی دیکھی تو اُس نے ان اسلامی اوصاف کو جاہلانہ رسوم کہہ کر اپنی الحاد کی قینچی اٹھائی۔ اور اس کے

مجاہدانہ ناخن کاٹ دیئے اور اس کی عبادت
و معرفت کے پر بھی کاٹ ڈالے ۔ داڑھی بھی
مونڈ ڈالی ۔ اور خوش ہو گئی ۔ کہ میں نے مسلمان
کی اصلاح کر دی ۔ حالانکہ ناخن اور پر باز
کے شکار اور اس کے بلند پروازی کے لئے
ضروری تھے ۔ لیکن بڑھیا نے اپنی اصلاح سے
اُسے نکمّا کر دیا اور باز سے چڑیا بنا کر رکھدیا
اسی طرح مغربی تہذیب کی بڑھیا نے مسلمان
کے جذبہ جہاد کے ناخن کاٹ دیئے ۔ اس کے
نماز روزہ اور عبادت و معرفت کے پر کاٹ
ڈالے ۔ اور اس کی داڑھی بھی مونڈ کر اُسے
بیکار کر کے رکھ دیا ۔ حالانکہ جذبہ جہاد ۔ نماز
و روزہ وغیرہ مسلمانوں کے اَشِدّآءُ عَلَے
الکفار ہونے ۔ اور ان کی بلند پروازی و عروج
کے لئے ضروری ہیں ۔ مگر اس ظالم بڑھیا نے
مسلمان کی اصلاح کیا کی اُسے نکمّا کر کے رکھ
دیا ۔ مجاہد کو ٹیڈی بنا دیا اور لڑکے کو لڑکی

بنا دیا۔ میں نے لکھا ہے ؎

واہ کیا مغربی تہذیب ہے نقشہ تیرا!
صنف نازک کو بھی شرماتا ہے لڑکا تیرا

اور اپنی ماڈرن مثنوی میں لکھا ہے ؎

دورِ حاضر کی ترقی دیکھئے!
تھا جو لڑکا اب وہ لڑکی دیکھئے
مرد کی صورت بھی اب تو زن کی ہے
ریل کی سی شکل اب انجن کی ہے!

کسی دوسرے شاعر کا یہ شعر بھی خوب ہے کہ ؎

ممولوں کی مانند شہباز ہیں
جو تھے تیغ زن صاحبِ ساز ہیں

آج اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ اسلام کا یہ حال دیکھ پائیں۔ تو رونے لگیں۔

حکایت نمبر ۸۹

باز اور بطخ

ایک باز بطخ پر جھپٹا تو وہ پانی میں غوطہ لگا گئی۔ بطخ کی تاک لگائے باز ہوا میں چکر لگاتا رہا۔ بطخ سطحِ آب پر اُبھری تو باز نے کہا۔

بی بطخ! تم نے ساری زندگی پانی میں ہی گذاری ہے۔ جنگل میں آکر دیکھو۔ وہاں سینکڑوں پھلدار درخت ہیں۔ سبزہ ہے۔ ہریالی ہے اور طرح طرح کے پرندے ہیں۔ تم یقیناً جنگل میں آکر اس تالاب کو بھول جاؤ گی۔

بطخ عاقل تھی۔ وہ اس کی چال کو سمجھ گئی کہ باز مجھے جنگل کا لالچ دے کر اپنے جنگل میں گرفتار کرنا چاہتا ہے۔

بطخ نے باز کو جواب دیا۔

اے بازِ دھوکہ باز! دور ہو جاؤ۔ جنگل کی رنگینیاں تجھے مبارک ہوں۔ میرے لئے یہ پانی ہی قلعۂ امن و سرور ہے۔ پانی کے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ تم ہوا کے دوش پر تیرتے ہو اور میں پانی کی لہروں پر۔ میں جنگل میں نہیں جاتی اور تم پانی پر جھپٹنے کی زحمت نہ اٹھاؤ۔ یہ کہا اور بطخ پانی میں پھر غوطہ لگا گئی۔

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری بعثت۔ ہدایت اور علم کی مثال ایک عالمگیر بارش کی طرح ہے۔ جس سے ساری زمین مستفید ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف) مسلمان اس پانی میں خوش اور مامون رہتا ہے۔ لیکن الحاد کا باز مغربی ہوا میں اڑتا ہوا آتا ہے۔ اور اسلامی بطخ (مسلمان) پر جھپٹتا ہے۔ اور دانا

مسلمان الحاد کے باز سے بچنے کے لئے اسلامی پانی میں غوطہ زن ہو کر بچ جاتا ہے۔ پھر یہ باز مسلمان کو یورپ کے جنگل کی رنگینیاں سُنا سُنا کر پھسلانا چاہتا ہے۔ اور بتاتا ہے۔ وہاں مال و دولت کی کثرت ہے۔ حسن و جمال ہے۔ آزادی و خوشحالی ہے۔ اور رنگین و حسین عورتیں ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے یورپ کے جنگل کا نقشہ یوں بیان فرمایا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ
النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ والقناطير۔
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ ——
وَالْحَرْثِ۔ (پ۳ ع ۱۰)

لوگوں کیلئے آراستہ کی گئی۔ کئی اُن خواہشوں کی مُحبت عورتیں اور بیٹے۔ اور تلے اُوپر سونے اور چاندی کے ڈھیر۔ اور نشان گئے

ہوئے گھوڑے اور چوپائے ـ
(زمین دوز ریلیں اور کاریں)
اور کھیتی (یعنی کھانے پینے کے لئے
رنگا رنگ کی چیزیں)

الحاد کا باز یورپ کے جنگل کی انہی ظاہری خوبیوں کا بیان کر کے اسلامی بلبل (مسلمان) کو پھانسنا چاہتا ہے۔ لیکن دانا مسلمان کے پیشِ نظر خدا کا یہ ارشاد ہوتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ (پ ع)
پرہیزگاروں کے لئے اُن کے
رب کے پاس جنتیں ہیں۔ جن
کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

وُہ اپنی اس جنتی نہر کے پیشِ نظر الحاد کے باز کے دھوکہ میں نہیں آتا۔ اور اُسے صاف جواب دیتا ہے۔ کہ تمہیں یہ ملحدانہ اڑان مبارک۔ اور مجھے میرا ایمان مبارک۔ یہ کہہ کر مسلمان مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ

آمنّا پڑھتا ہوا پھر اسلامی پانی میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ ؎

بچتے رہیئے مغربی اس باز سے
کھائیے دھوکہ نہ دھوکہ باز سے

حکایت نمبر ۹۰

ایک چڑیا

ایک شخص نے پھندا لگا کر ایک چڑیا پکڑ لی۔ چڑیا نے کہا۔ تم نے آج تک کتنے بکرے۔ دُنبے اور مُرغ کھائے ہیں۔ مجھ چھوٹی سی جان سے تمہارا کیا بنے گا؟ مجھے چھوڑ دے۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو گے۔ تو میں تمہیں تین بڑی کارآمد نصیحتیں کروں گی۔ جن پر عمل کرنے سے تمہارا بڑا فائدہ ہو گا۔ ایک نصیحت تو تمہارے ہاتھ پر کروں گی دوسری جب دیوار پر جا بیٹھوں گی۔ اور تیسری۔

اس وقت جب درخت کی شاخ پر جا بیٹھونگی
شکاری نے یہ بات مان لی۔ اور چڑیا کو ہاتھ پر
بٹھا کر پوچھا۔ بتا پہلی نصیحت کیا ہے؟ چڑیا
بولی۔ میری پہلی نصیحت یہ ہے۔ کہ جو بات نہ
ہو سکنے والی ہو۔ اُسے ہرگز نہ مانو۔ چڑیا یہ کہہ
کر پھر دیوار پر جا بیٹھی۔ اور کہا دوسری نصیحت
یہ ہے۔ کہ جو بات ہو جائے اس کا غم نہ کرو۔
پھر شرارت کے ساتھ کہنے لگی۔ تم نے غلطی کی
جو مجھے چھوڑ دیا۔ میرے پیٹ میں پاؤ بھر کا
بیش قیمت موتی تھا۔ اگر تم مجھے ذبح کر کے
میرے پیٹ سے وہ موتی نکال لیتے تو تمہاری
سات پشتوں تک کے لئے وہ کافی ہوتا۔ یہ سن
کر وہ شخص بڑا پچھتایا۔ کہ میں نے یہ کیا کیا؟
اگر اسے نہ چھوڑتا۔ تو موتی پا کر امیر کبیر بن
جاتا۔ چڑیا اُڑ کر پھر درخت کی شاخ پر جا بیٹھی
اور کہنے لگی۔ میری پہلی نصیحت کو ابھی بھول گئے
میں نے پہلی نصیحت یہ کی تھی۔ کہ جو بات نہ ہونے

ملنے والی ہو۔ اُسے ہرگز نہ مانو۔ مگر تم نے یہ کیسے مان لیا۔ کہ مجھ چھوٹی سی چھٹانک بھر چڑیا کے پیٹ میں پاؤ بھر کا موتی ہوگا۔ یہ بات ممکن ہی کب ہے؟ دوسری میری نصیحت یہ تھی۔ کہ جو بات ہو جائے اس کا غم نہ کرو۔ تم نے یہ دوسری نصیحت بھی بھلا دی۔ اور غم کرنے لگے۔ کہ چڑیا کو میں نے کیوں چھوڑ دیا۔ شکاری نے کہا۔ اچھا تیسری نصیحت تو بتاتی جاؤ۔ چڑیا بولی میری پہلی دو نصیحتوں پر تم نے کب عمل کیا ہے؟ جو تیسری پر عمل کرو گے۔ تمہیں کوئی نصیحت کرنا ہی فضول ہے۔ یہ کہہ کر اڑ گئی۔

سبق

آجکل کے دانشوروں کو لاکھ اسلامی نصیحتیں کیجئے وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ زمانہ ترقی کا زمانہ ہے۔ اس دور میں انسانوں کی ذہنیتیں اور خیالات بدلے جا چکے ہیں۔ پھر چڑیوں کے خیالات

میں انقلاب کیوں نہ آیا ہو گا۔ وہ پرانے زمانہ کی چڑیا تھی۔ جس کی یہ نصیحت تھی۔ کہ " ان ہونی بات پر یقین نہ کرو۔" لیکن آج کل کی مغربی تہذیب کی چڑیا کی یہ نصیحت ہے۔ کہ " ان ہونی بات پر یقین نہ کرنا۔" پرانی بات ہے۔ میری نصیحت یہ ہے۔ کہ " ہونے والی بات پر بھی یقین نہ کرو۔" حشر و نشر، جسمانی معراج اور معجزات جو یقیناً ہونے والی باتیں ہیں اور ہوئیں۔ انہیں بھی مت مانو۔ قرآن فرمائے حدیث کا ارشاد ہو۔ کہ یہ بات ہوئی یا وہ بات ہو گی۔ تو تم ہرگز نہ مانو۔ ورنہ تم پرانے لوگ کہلاؤ گے۔ ماڈرن نہ رہو گے۔

پہلے زمانہ میں تو انسان نے پھندا لگا کر چڑیا کو پکڑا تھا۔ لیکن آجکل کی مغربی چڑیا نے نکٹائی اور ٹیڈی لباس کا پھندا لگا کر انسان کو پکڑ اور جکڑ لیا ہے۔ پہلے زمانہ کے جانور نے بھی قید سے رہا ہونے کی ترکیب کی اور رہا ہو گئی

مگر یہ آجکل کے دانشور اس قید میں خوش بلکہ اسے آزادی سمجھ کر دوسروں کو بھی اس مغربی پنجرے میں پھنسانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چڑیا نے قید کو قید سمجھا۔ اور آجکل ان دانشوروں نے قید کو آزادی سمجھ رکھا ہے۔

پہلے زمانہ کی چڑیا پھندے سے رہا ہوئی۔ تو شیخ پچھتایا تھا۔ اور اب اگر کسی اللہ والے کی کوشش سے ماڈرن مسلمان مغربی پھندے سے رہا ہو کر سچا مسلمان بن جائے۔ تو مغربی چڑیا۔ پچھتاتی ہے۔

پہلے زمانہ کی چڑیا نے اپنے پیٹ میں پاؤ بھر کا موتی بتایا تھا۔ اور وہ بھی شرارت سے۔ اور مغربی تہذیب کی چڑیا کے پیٹ میں کئی کئی ٹن کے بم بھرے ہیں۔ جو حقیقت ہیں۔ اور انسانیت کے لئے سراسر مہلک۔

مسلمانو! جس طرح وہ چڑیا پھندے سے اپنی کوشش سے آزاد ہو گئی تھی۔ تم تو انسان ہو۔ کوشش

کرو۔ کہ اس مغربی چڑیا کے پھندے سے آزاد
ہو جاؤ۔ اور اس آزادی کی صورت یہ ہے۔ کہ
غلامی محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
صلے اللہ علیہ وسلم

حکایت نمبر ۹۱

عطار کی طوطی

ایک عطار کے پاس ایک خوشنما و خوش نوا طوطی تھی۔ عطار اُسے اپنی دکان میں رکھتا تھا۔ طوطی اپنے پنجرہ میں بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی۔ خریدار آتے۔ اُنہیں سلام کہتی۔ اور طرح طرح کی باتیں کرتی تھی۔ طوطی کی خوشنوائی سے عطار کی دُکان پر گاہکوں کا ہجوم لگا رہتا۔ اور اس کی خوب بکری ہوتی۔ ایک دن عطار کسی کام کے لئے گھر گیا۔ تو اس کی دُکان میں اتفاقاً ایک بلی آ گئی۔ بلی نے دُکان میں چوہوں

کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑنا شروع کر دیا. طوطی نے بلّی کو دیکھا. تو گھبرا گئی۔ اور ڈر کے مارے پنجرے میں اُچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ اس اُچھل کود سے پنجرہ بادام روغن کی بوتلوں پر آ گرا۔ اور وہ سب بوتلیں ٹوٹ گئیں۔ اور قیمتی روغن بہہ نکلا۔ عطار گھر سے واپس دکان پر آیا۔ تو دیکھا کہ جتنی بادام روغن کی بوتلیں تھیں۔ سب ٹوٹی پڑی ہیں۔ اور بادام روغن ساری دُکان میں بہہ رہا ہے۔ پنجرے کو دیکھا۔ تو وہ ان بوتلوں پر گرا ہُوا تھا۔ اور طوطی سہمی ہوئی پنجرے میں بیٹھی تھی۔ عطار نے اپنا یہ نقصان دیکھ کر طوطی کی شرارت سمجھی۔ اور اُسے قصوروار سمجھ کر طوطی کے سر پر دو چار تھپّڑ مارے۔ جن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے۔ اور اس کا سر گنجا ہو گیا۔ طوطی مار کھا کر کچھ ایسی سہمی اور ڈری۔ کہ اس نے بولنا چھوڑ دیا۔ جتنی میٹھی باتیں کرتی تھی۔ سب ختم ہو گئیں۔ عطار نے ہزار کوشش کی۔ کہ طوطی

بولنا شروع کرے۔ مگر اس نے بالکل ہی خاموشی اختیار کر لی۔ اِدھر طوطی کی خوشنوائی گئی۔ اُدھر اُس کی خریداری کم ہو گئی۔ اس کی دکان پر جو ہجوم رہتا تھا۔ ختم ہو گیا۔ اب تو عطار بڑا پچھتایا۔ کہ میں نے اِسے کیوں مارا۔ کافی جتن کئے کہ کسی طرح طوطی بولنا شروع کر دے۔ مگر طوطی نہ بولی۔ عطار نے فقیروں۔ محتاجوں اور سائلوں کو خیرات دینا شروع کی۔ تاکہ اسی صورت خدا تعالیٰ میری سُنے۔ اور طوطی بولنا شروع کر دے تین دن تک طوطی خاموش رہی۔ چوتھے روز ایک فقیر دکان پر آیا۔ جو سر سے گنجا تھا۔ اس نے آکر سوال کیا۔ طوطی نے اُس گنجے فقیر کا سر دیکھا تو ایک دم بول اُٹھی۔ اور کہنے لگی،

کیوں جناب! آپ نے بھی بادام روغن کی بوتلیں توڑی ہیں۔ جو آپ بھی گنجے ہو گئے۔"

لوگ اس کی اس بات پر ہنس دیئے کہ اُس نے اس فقیر کو بھی اپنی مثل سمجھ لیا اور قیاس

کر لیا۔ کہ میں جو بوتلیں توڑ کر اور پٹ کر گنجی ہوئی ہوں۔ اسی طرح اس فقیر نے بھی بوتلیں توڑ دی ہیں۔ اور یہ بھی پٹ کر گنجا ہؤا ہے۔

سبق

بزرگوں کو اپنی مثل سمجھ لینا اور ان کے افعال و اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس کر لینا۔ انسانوں کا نہیں جانوروں کا کام ہے۔ چنانچہ کفّار کی عقل بھی جانوروں کی سی تھی۔ کیونکہ وہ انبیائے کرام علیہم کو کھاتا پیتا دیکھ کر انہیں اپنی مثل سمجھ لیتے تھے۔ اور یُوں کہا کرتے تھے۔

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ
مِمَّا تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا
تَشْرَبُوْنَ (پ۱۸ ع ۲)

یہ (رسول) نہیں مگر تم جیسا آدمی
جو تم کھاتے ہو اسی میں سے
کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو اس

میں سے پیتا ہے۔
یعنی کافروں کا اُس طوطی کی طرح یہ خیال تھا۔ کہ جس طرح ہم کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ اسی طرح یہ نبی بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ اور ہماری مثل ہیں۔ حالانکہ جس طرح سر سے گنجے فقیر اور اُس گنجی طوطی میں ہرگز کوئی مماثلت نہ تھی۔ فقیر کا سر قدرتی طور پر بالوں سے خالی تھا۔ اور طوطی کا سر تھپڑ کھا کر گنجا ہُوا۔ تھا۔ فقیر کا سر اس کے لئے گنج تھا، اور طوطی کا سر اُس کے لئے باعث رنج تھا۔ بلا تشبیہہ کفار کا کھانا پینا پیٹ کی آگ بُجھانے کی خاطر تھا۔ اور انبیاء کرام علیہم السّلام کا کھانا پینا سکھانے کی خاطر تھا۔ ریل گاڑی پر مسافر بھی سوار ہوتا ہے۔ اور ریلوے گارڈ بھی۔ بظاہر دونوں مسافر ہیں۔ لیکن مسافر کرایہ دے کر سفر کرتا ہے۔ اور گارڈ تنخواہ لے کر سفر کرتا ہے۔ مسافر ریل پر اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے بیٹھتا ہے۔ اور گارڈ منزل

پر پہنچانے کے لئے بیٹھتا ہے۔ بظاہر فعل ایک ہے لیکن اغراض مختلف ہیں۔ ایک لطیفہ بھی سُن لیجئے۔ ایک دو سالہ بچّہ کو ماں نے جوتے مارے۔ بچّہ روتا ہُوا پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ باپ آیا۔ تو بچّے کو پلنگ کے نیچے سے نکالنے کے لئے اور روتے بچّے کو چُپ کرانے کے لئے پلنگ کے نیچے نیچے کے پیچھے وہ بھی گیا۔ روتے ہوئے بچّے نے باپ کو بھی جو اپنے پیچھے آتا دیکھا۔ تو پوچھنے لگا۔ ابّا جی! امّی نے آپ کو بھی جوتے مارے ہیں؛ گویا اس نے سمجھا۔ کہ میں جو جوتے کھا کر پلنگ کے نیچے گھسا ہوں۔ تو ابّا جی بھی جوتے ہی کھا کر میری طرح پلنگ کے نیچے آ گھسے ہیں۔ یہ ہے جانوروں اور بچوں کا دماغ۔ کہ بڑوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی ہماری مثل تھے۔

دانائے روم ارشاد فرماتے ہیں۔

مه

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن "شیر" و "شِیر"
ہمسری با انبیاء بر داشتند!!
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا
واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

(یعنی) پاک لوگوں پہ اپنا قیاس نہ کر اگرچہ لکھنے میں "شیر" اور "شِیر" (کے حروف) ایک جیسے ہیں۔

۲۔ کافروں نے انبیاء کے ساتھ ہمسری کی، اولیاء کو اپنے جیسا جانا۔

۳۔ اُن کافروں نے کہا کہ ہم بھی بشر ہیں یہ (انبیاء) بھی بشر ہیں (کیوں کہ) ہم بھی اور یہ (انبیاء) بھی نیند اور خوراک کے محتاج ہیں۔

ہو سکے۔ سوداگر نے کہا۔ میں تمہارا یہ پیغام ضرور پہنچا کر آؤں گا۔ چنانچہ سوداگر ہندوستان گیا۔ تو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر طوطی کا پیغام دینے اُسی دریا کے پار گیا۔ وہاں اُس نے ایک پہاڑی پر واقعی بے شمار طوطیاں دیکھیں۔ اُس نے اپنی طوطی کا پیغام اُنہیں سُنا دیا۔ سوداگر نے جب یہ پیغام دیا۔ تو طوطیوں میں سے ایک طوطی تڑپ کر نیچے گری۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ سوداگر بڑا حیران ہُوا۔ کہ ایسے کیا ہُوا؟ شاید یہ میری طوطی کی عزیزہ تھی۔ جو اِسی صدمہ سے مر گئی ہے۔ سوداگر جب وطن واپس آیا۔ تو طوطی نے پوچھا۔ کیوں جناب! میرا پیغام آپ نے اُن طوطیوں کو دے دیا تھا؟ سوداگر نے کہا۔ ایسے وہ پیغام کیا تھا وہ تو ایک طوطی کے لیئے موت کا پیغام ثابت ہُوا۔ میں نے تمہارا پیغام جب اُنہیں سُنایا۔ تو اُن میں سے ایک طوطی تڑپ کر گری اور تڑپ

تڑپ کر مر گئی۔ خدا جانے اُسے کیا ہُوا۔ مُمکن ہے۔ وہ کوئی تمہاری خاص عزیز تھی۔ سوداگر کی زبانی یہ واقعہ سُن کر سوداگر کی طوطی بھی پنجرے میں تڑپنے لگی۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ سوداگر بڑا حیران اور پریشان ہوگیا۔ کہ یہ کیا قِصّہ ہے۔ اُدھر وہ طوطی اِس کا پیغام سن کر تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اور اِدھر یہ اُس کا قصّہ سُن کر تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ پریشانی کے عالم میں اُس نے پنجرے کا مُنہ کھولا۔ اور مردہ طوطی کو باہر نکال کر پھینک دیا۔ باہر پھینکتے ہی طوطی نے پھریری لی۔ اور ایک دم اُڑ کر ایک درخت کی شاخ پر جا بیٹھی۔ سوداگر یہ کرشمہ دیکھ کر اور بھی حیران ہُوا۔ کہ یہ کیا تماشہ ہے۔ طوطی نے اُس سے کہا۔ آپ حیران نہ ہوں۔ ہندوستان کی جو طوطی تڑپ تڑپ کر مرتے ہُوئے آپ نے دیکھی تھی۔ مری وہ بھی نہ تھی۔ در اصل اُس نے مجھے یہ سمجھایا تھا۔ کہ پنجرے سے اگر آزادی

بچا ہتی ہو۔ تو مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ تمہاری زندگی
اور خوش آوازی نے تجھے قید میں ڈال رکھا
ہے۔ اس قید سے رہائی کی یہی ترکیب ہے۔ کہ
مرنے سے پہلے اپنے آپ کو مار ڈالو۔ چنانچہ میں
نے اُس کی ہدایت پر عمل کر کے دیکھ لو۔
پنجرے سے رہائی پالی ہے۔

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
مُوتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مر
جاؤ۔ مطلب یہ کہ نفس کو مار ڈالو۔ یہ جسقدر
حرص وطمع اور دیگر نفسانی خواہشات ہیں۔ اُن
کے باعث انسان گویا مشکلات کے پنجرے میں
بند ہے۔ اور پریشان ہے۔ اس پنجرے سے
رہائی کے لئے یہی صورت ہے۔ کہ مرنے سے
پہلے نفس کو مار ڈالا جائے۔ نفس مر گیا۔ تو حرص و
طمع و دیگر خواہشات جو سینکڑوں برائیوں کی منبع ہیں۔

ختم ہو جائیں گی۔ اور انسان ان تفکرات سے رہائی
پالے گا۔ اللہ والے جو اس نفسانی خواہشات کے
پنجرے سے آزاد ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے اسی لئے
یہ ارشاد ہے۔ کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔
انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔ وہ ان پریشانیوں سے
آزاد ہیں۔ برخلاف اُن کے جن کا نفس زندہ ہے
وہ حرص و طمع کے پنجرے میں ایسے مقید ہیں۔ کہ نہ
دن کو چین اور نہ رات کو آرام۔ ہر وقت تفکرات
کے عالم میں رہتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ خاک
میں ملنے سے پہلے خاک ہو جانے سے زندگی ملتی۔
ہے۔ یعنی تواضع۔ عجز و انکسار سے انسان پھل پاتا
ہے۔ اور سنگ دلی و تکبّر سے فیضِ الٰہی سے محروم
رہ جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ بارش ہوتی ہے۔ تو اس کے
فیض سے مٹی اپنی تواضع و عاجزی کی بدولت
صدہا رنگ کے پھل اور پھولوں سے لد جاتی ہے
اور پتھر اپنی سختی کے باعث اس فیض سے محروم
رہ کر ویسے کا ویسا خالی ہی رہ جاتا ہے ؎

مدتوں تک تو رہا غفلت سے سنگ
خاک بن کر دیکھ کیا آتا ہے رنگ!

سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کی لکھی ہوئی

سچی حکایات

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی کا خاص عطیہ؛

دافع اٹھراہ

جس عورت کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوتے ہوں یا پیدا ہو کر مر جاتے ہوں یا وقت سے پہلے حمل ساقط ہو جاتا ہو یا لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں، اسے مرض اٹھراہ ہے۔ اس نامراد مرض کے ازالہ کیلئے حضرت فقیہ اعظم گولیاں اور تعویزات دیا کرتے تھے جس سے ہزاروں عورتیں بامراد ہو گئیں۔ اطبا حکماء اور ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ اس مرض کیلئے

یہ روحانی علاج سو فیصد کامیاب ہے

الحمدللہ! یہ خاص عطیہ والد گرامی مجھے عطا فرما گئے ہیں۔ ضرورت مند اصحاب مجھے

آٹھ ماہ کے لئے تعویزات اور گولیاں طلب فرمائیں

نوٹ: یہ دوا حمل کے پہلے دوسرے یا پھر تیسرے ماہ تک شروع کر دینا لازم ہے۔ پھر بچہ پیدا ہونے تک دوائی جاری رکھی جاتی ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ روانہ کی جائے گی۔

ھدیہ محصول ڈاک
سمیت

بچوں کے سوکڑے کا سو فیصد مفید روحانی علاج

ثمینی

بچہ اگر سوکھ کر کانٹا بن چکا ہو اس میں خون یا کیلشیم کی کمی ہو تو اس کے لئے ثمینی منگوا کر قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ گلے میں ڈالنے کا ایک تعویذ اور ۴۱ عدد گولیاں ہیں۔ ہر روز ایک گولی پیس کر دہی کے چمچ بھر پانی میں گھول کر پلائی جاتی ہے۔ بچہ ہفتہ بھر میں ہی توانا تازہ

—— پہلوان نظر آتا ہے آزمائش شرط ہے ——

ہدیہ، محصول ڈاک سمیت؛

صاحبزادہ ابو النور محمد بشیر، دربار شریفی کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ